DATE LABEL

Call No. ۸۹۱٫۴۳۱
ب ۵۶۳ س

Date 1.5.68

Acc. No. 47016

J. & K. UNIVERSITY LIBRARY

This book should be returned on or before the la
date stamped above. An over-due charge of *.06 P.* will
levied for each day, if the book is kept beyond that day

Ul
ب 5423 س
۱۳۳۱ھ ۱۹۱۲ء
ب ۲۲۵ س

۷۸۶

ساغر و مینا

۱۳ ھ ۶۸

گو ہاتھوں میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے
(غالب)

ابو اللسان مولوی حافظ محمد عبد الرحمن صاحب بسمل سنسہاروی گیاوی کی

منتخب رباعیوں نظموں اور تاریخی قطعات کا نادر مجموعہ

جسے

منیجر شمسی پریس بکڈپو باری روڈ گیا نے شائع کیا

۷۸۶

ملیں

اس ناچیز گلدستہ کو اپنے ایک مخلص ترین
دوست جنت آشیانی کے فرزند عزیز مولٰنا
مولوی حاجی محمد قمر الہدیٰ سلمہ اللہ تعالیٰ اشیر گھاٹوی
حال ہڈ مولوی گورنمنٹ اسکول پورلیا ضلع مانبھوم
کے نام نامی کے ساتھ معنون کرتا ہوں۔

من نوشتم حرف کردم روزگار
من نمانم ایں بماند یادگار

ناچیز بسملؔ
۱۱ر شعبان المعظم سنہ ۱۳۶۸ھ

CHECKED
ALLAMA IQBAL LIBRARY
47016
ST 01
J. & K. UNIVERSITY LIB.
Acc No 47016
Date 21.9.83

تعارف

از جناب مولانا حکیم حاجی سید محمد طٰہٰ الکمال آل الحسینی الندوی

ادب عربی کی ایک مشہور کتاب "البیان والتبئین" میں شعر کی تعریف یہ ہے۔

الشعر شیٔ تجیش بہ صدورنا فتقذفہ علیٰ السنتنا

شعر وہ چیز ہے جس سے ہمارے سینے جوش میں آتے ہیں۔ پھر اس کو ہماری زبانوں پر پھینک دیتے ہیں

یہ شاعرانہ احساس بعض لوگوں میں فطرتاً ہوتا ہے۔ اور ان کی "حساس قوت مدرکہ" دنیا کی رنگینیوں سے متاثر ہو کر دل آویز نغمات کی شکل میں بہت سے گیت ہمارے لئے بنا دیتی ہے۔ لیکن اگر آپ غور کریں تو ان گیتوں میں ہر موزون و حقیقی کلام صحیح معنوں میں شعر نہیں ہوتا۔ بلکہ صحیح معنوں میں شعر وہ ہے جس پر احمد شوقی امیر شعرائے عصر

ناچیز حضرت بسمل کے فنی کمالات۔ ان کی کہنہ مشقی اور ان کے اشعار کے لطف و اثر کا دل سے قدر داں ہے۔ حالانکہ میری خود بینی کا یہ عالم ہے۔ کہ ۱۳۴۲ھ سے لیکر اس وقت تک تقریباً چھبیس برس شاعری کرتے ہوئے گزر گئے۔ لیکن ابتدائً مدرسہ عزیزیہ بہار شریف میں حضرت شفیع بہاری کو تین غزلیں دکھائی تھیں۔ پھر ۱۹۳۲ء میں مولنا بینظیر شاہ قادری وارثی کڑا مانکپوری کو پانچ چھ غزلیں دکھائیں۔ اس کے بعد آج تک دل اس نظریہ پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہے۔ کہ اس راستہ میں شاگردی واستادی فضول ہے۔ کیونکہ

"قبول خاطر ولطف سخن خدادا داست"

حضرت بسمل (دام مجدکم) کا نظریہ تلمذ کے معاملہ میں ناچیز کے نظریہ کے برعکس ہے۔ چنانچہ وہ اپنی ایک رباعی میں فرماتے ہیں

یکتائے زمانہ تھے جو خواجہ عشرت
تھی شعر و سخن میں جن کی کافی شہرت
یہ فیض تلمذ ہے انھی کا بسمل
اللہ منور کرے ان کی تربت

لیکن میں جب یہ دیکھتا ہوں کہ جناب خواجہ عشرت صاحب مرحوم

کے سینکڑوں تلامذہ اس صوبہ میں موجود ہیں۔ لیکن شعر وسخن کے جس بلند مقام حضرت بسملؔ (دام مجدہٗ) فایز ہیں دوسروں کو وہ سطح نصیب نہیں۔ تو اپنے نظریہ کیمتیلی پیر الیقین او درپختہ ہوجاتا ہے۔ اور حافظ کا یہ شعر صحیح معنوں میں شعر بن کر اولاً میرے سینہ میں جوش زن ہوتا ہے۔ پھر اس طرح زبان پر جاری ہوجاتا ہے ؎

حسد چہ می بری اے سست نظم بر حافظ
قبول خاطر و لطف سخن خدا داد است

مقبولیت کے لحاظ سے صوبہ کے مشہور شعراء کی صف اوّل میں حضرت بسملؔ کو نمایاں جگہ حاصل ہے۔ وہ فارسی ادب میں نہایت اعلیٰ استعداد کے مالک ہیں۔ اور اردو زبان کے معائب ومحاسن پر جسطرح تمام باکمالوں کی ناقدانہ نگاہ ہوتی ہے۔ حضرت بسملؔ کی نظر بھی کسی سے کم نہیں۔ بلکہ ان کی جیسی ہستیاں ہمارے صوبہ میں معدودہ چند ہی ہیں۔ خدا ان کے ادبی فیوض وبرکات سے نوجواں کو متمتع فرمائے۔ آمین

صرف رباعیاں موزوں کر لینا ہی کہنہ مشقی کا اعلیٰ ثبوت سمجھا جاتا ہے

میں یہ اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں۔ بلکہ غالب نے حالی کو یہی لکھا تھا اور اگر رباعیاں نتیجہ خیزی کے اعتبار سے انسانی زندگی کے فلسفیانہ نکات پر مشتمل ہوں۔ تو پھر وہ شاعر کے فنی کمال کیلئے برہان قاطع اور دلیل ساطع ہیں۔

میں آپ کے ذوق سخن سے اپیل کروں گا کہ آپ حضرت بسمل کی رباعیوں پر انصاف کی نظر ڈالیں۔ اور ان رباعیوں کو اسی ترازو میں تولیں۔ جس میں صوبہ کے موجودہ مشاہیر شعرا کی رباعیوں کو آپ تولتے ہیں۔ پھر انصاف سے فیصلہ کریں کہ پلہ کس کا وزنی ہے

ذیل کی رباعیوں میں ادنٰے مفہوم جس استادانہ طرز پر کیا گیا ہے۔ وہ تمام اہلِ سخن کی نظر استحسان کو دعوت مطالعہ دیتا ہے

(۱)

دو دم پہ ہے موقوف قیام ہستی
اک دم میں بدلتا ہے نظام ہستی
پیری میں ہوئی کمر خمیدہ بسمل
بھیجا ہے آخری سلام ہستی

معمورۂ ہستی میں ہے ویرانی بھی　　جمعیت خاطر بھی پریشانی بھی
کہتی ہے یہ دنیا کی دورنگی بسمل　　قبضہ میں مرے آگ بھی ہے پانی بھی

ہندوستان کے تقریبًا اکثر ادبی رسالوں اور اخباروں میں حضرت بسمل کی نظمیں اور غزلیں طبع ہو کر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کرتی رہی ہیں. اسلئے ضروری تھا کہ ایسے باکمال شاعر کا کوئی مجموعہ کلام جلد شائع کیا جائے. جو ایک طرف ان کے کمالات کی درخشاں یادگار رہے اور دوسری طرف اردو کے سرمایہ میں مفید ترین اضافہ ہو.

اردو کی ادبی مجلسوں میں یہ روایت بہت مشہور ہے کہ سر تیج بہادر سپرو اردو کی دائمی بقا کے قایل تھے. اور اقبال کا مندرجۂ ذیل شعر پڑھ کر کہتے تھے کہ ایسی طاقتور زبان کو جس میں ادائے مفہوم کے لئے اتنی بے پایاں قوت ہو. دنیا کی کوئی ظالم سے ظالم حکومت بھی نہیں مٹا سکتی. اقبال مرحوم کا وہ شعر قرطبہ کی مسجد سے متعلق حسب ذیل ہے.

پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں　　خاموش اذانیں ہیں تری بادِ سحر میں

ادائے مفہوم کے سلسلہ میں اردو زبان کی بے پایاں قوت کی اعلیٰ مثال اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے بھی قایم کی۔ استعمال قوافی، تخلیق قوافی اور بے معنی الفاظ کو معنی دار بنا دینا اکبر مرحوم کا خاص کارنامہ ہے۔ دیکھئے وہ ذیل کے شعر میں شبلی کا قافیہ کس طرح پیدا کرتے ہیں اور ایک بے معنی لفظ کو معنی دار بنا دیتے ہیں:-

میں نہیں جانتا قبلہ قبلی ۔۔۔ صاف لکھتا ہوں کہ بھائی شبلی

انگریزی الفاظ کو اردو نظم میں مصلحانہ ظرافت انگیزیوں کے ساتھ استعمال کرنا بھی اکبر کا قابل یادگار کارنامہ ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا ۔۔۔ پانی پینا پڑا ہے پائپ کا

پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی ہے ۔۔۔ شاہ ایڈورڈ کی دُہائی ہے

اکبر مرحوم کے اسی رنگ میں ہمارے مکرم حافظ (سبیلؔ) صاحب نے بھی نظموں اور رباعیوں میں اپنی کہنہ مشقی کے جوہر خوب خوب دکھائے ہیں چنانچہ حالات حاضرہ کے پیش نظر ان کی یہ رُباعی مجھے خوب ہی پسند آئی اور میں قوی امید رکھتا ہوں کہ ہر ذوق سلیم رکھنے والا اس رُباعی سے

قطعۂ تاریخ مع تقریظ

از محبی و مخلصی ابونصر حافظ محمد عبدالاحد صاحب مشفقؔ بشیر گھاٹوی
خطیب مسجد کبدیہ ضلع گیا

حمد ہے غازۂ عروسِ سخن نعت سے نظم کا سجے گلشن
کیوں نہ گلہائے طبعِ رنگیں سے آج گلچیں کا بھر دوں میں دامن
کیا عجب گرمیٔ سخن سے مری خاک ہوں جل کے حاسد و دشمن
گل نے اپنا لباس بدلا ہے بلبلیں ہیں چمن میں خندہ زن
مخلص و محترم اخی سعید یعنی خورشیدِ آسمانِ سخن
شاعرِ بے مثال و خوش گفتار ناثرِ بے عدیل و ماہرِ فن
منبعِ فیض حضرتِ بسملؔ ظلِ رحمت ہو ان پہ سایہ فگن
نغز گو نکتہ سنج و سحر بیاں کامل و اکمل و محقق فن

خوب ہی لطف اندوز ہوگا۔

قائم جو ہوا ملک میں سیکولر اسٹیٹ — دامن کو لیا شیخ و برہمن نے سمیٹ
آنے لگی دیر و حرم سے آواز — مذہب کو سیاست نے کیا ملیا میٹ

زیر نظر مجموعہ کے علاوہ حافظ (سبق) صاحب کا غیر مطبوعہ دیوان اور نظموں کا غیر مطبوعہ مجموعہ (جس میں تاریخ گوئی کی نہایت ہی فائدہ بخش چیزیں اُدبا کے لئے ہیں) میں نے دیکھا اور میرا پر زور مشورہ ہے کہ ان چیزوں کو بھی زیور طبع سے آراستہ کرکے اردو کے سرمایہ میں مفید اضافے کئے جائیں۔

سردست حضرت سبق کا یہ مجموعۂ کلام صحیح معنوں میں حافظ شیرازی کے حسب ذیل شعر کا مصداق ہے

حافظ سخن بگوے کہ در صفحۂ جہاں — ایں نقش ماند از قلمت یادگار عمر

اور عاجز کی اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ "ایں نقش (مع دیگر نقوشہا) ماند از قلمش یادگار عمر"

ع ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!

حکیم محمد طٰہٰ کمال الحسینی الندوی۔ آبگلہ۔ گیا

۷ر اگست سنہ ۱۹۴۹ء

چشم بد دور قابلیت میں
ناز کرتے ہیں ان پر اہلِ وطن

گرچہ مدت سے ہیں گیا میں مقیم
سُنبھاری ہے مولد و مسکن

ان کے اوج کمال کے آگے
کیوں نہ جل بھُن کے خاک ہوں دشمن

ہر سخن عیب سے مبرّا ہے
کہ سلف کے ہیں یادگار کہن

ان کے دم سے ہے آجتک جاری
عشرتِ لکھنوی کا فیض سخن

کیوں نہ کہدوں میں صاف لفظوں میں
فخرِ استاد و افتخار زمن

واہ واگیا سخن میں ہے اعجاز
دل ما شاد و چشم ما روشن

ہے یہ مجموعۂ کلام ان کا
یا مرصع ہے سلک دُرِ عدن

المسمّے بہ "ساغر و مینا"
جس میں لبریز ہے شراب سخن

چھپتے ہی یہ رسالۂ نادر
ہوا مطبوع طبع اہلِ سخن

گل صد برگ کے ہیں تازہ پھول
یا کھلا ہے رباعیوں کا چمن

ہے مناسب اگر اسے کہئے
گل گلدستۂ ریاضِ سخن

نظر افروز ہے بہار اس کی ۔ خوب پھولا پھلا ہے یہ گلشن
نظم و قطعات کے جواہر سے ہے دُرِ بے بہا کا یہ مخزن
اب یہ شمسی پریس میں چھپ کر صورت آفتاب ہے روشن
کور چشموں سے کیا غرض ہم کو قدر اس کی کریں گے اہلِ سخن
نگہہ شوق سے وہ دیکھیں گے جن کے دل میں ہے کچھ بھی قدر سخن
تازیانہ ہے معترض کے لئے یاد رکھے اگر مرا یہ سخن
فاش پردہ ہوا زلیخا کا چاک یوسف کا جب کیا دامن
ہنس پڑیں کھلکھلا کے سب کلیاں مسکرایا جو کوئی غنچہ دہن
حبذا مرحبا جزاک اللہ نام اوستاد کا کیا روشن

عیسوی سال کہہ دوالے مشفق

اوجِ پایہ بہارِ باغِ سخن

۱۹ ۶ ۹

اعتذار

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

زیر نظر مجموعہ تقریباً ڈھائی سال سے ترتیب دے کر پریس کے حوالہ کر دیا گیا تھا۔ مگر انقلاب زمانہ سے جس طرح دنیا کی ساری چیزیں اثر پذیر ہو رہی ہیں اسی طرح پریس کا انقلاب بھی اس کی اشاعت پر اثر انداز ہوا۔ اور اپنا پریس ہوتے ہوئے بھی غیر معمولی تاخیر کے باعث احباب کرام اور مشتاقان سخن کو کافی انتظار کی زحمت گوارا کرنا پڑی۔ بہرکیف کارکنان پریس کا احسان ہے کہ جلد یا بدیر۔ اچھا یا برا جیسا بھی ہوا شائع تو کر دیا۔ یہی غنیمت ہے۔

ناچیز بسمل

۲۵ اپریل ۶۵ء

رباعیات

شمسی پریس باڑی وڈ محلہ گھسیا ٹولہ گیا

قیمت فی جلد مجلد ۱۲ غیر مجلد ۴ ۱

زیب

گلشن کا تیری دید کو پھولوں کی مہک

ذروں میں پیار کی خوشبو دار تتلیاں کی چہک

وہ نور جو ہے چشمِ غزالاں سے نہاں

جلوہ ہے اسی کا آسماں تا بہ زمیں

۱

نوجیب

بندہ ہوں کسی کا اور نہ آقا ہوں میں
سرگشتہ و محروم تمنا ہوں میں
یہ سب ہی سہی لیکن نہیں ناشکر گزار
راضی بہ رضائے حق تعالیٰ ہوں میں

۲

یارب نہیں بیاں ہے بس اب پنہیں

اُسے الٹے دن بیں کے کوئی میں

لیکن نہ ہوا آپ سا کوئی مرا دل

اب کیا کوئی اُن سے گلۂ جور و ستم کرے

رخصت ہوئے لب سے بھی اے جان کرے

رباعیات

بندوں میں ذلیل و خوار و رسوا ہوں میں
پیشوں میں کمترین ادنیٰ ہوں میں
لیکن یہ شرف مرے لیے کیا کم ہے
ناچیز غلام شاہ بطحا ہوں میں

۲

زبانِ شرحِ بانی
صدری و دانا خلیل عہد و محترمہ شمس بانی

روشن مرے دل میں نورِ ایماں ہو جائے
سینہ مرا گنجینۂ عرفاں ہو جائے
یارب مرے نطق میں وہ جوہر ہو عطا
ہر ایک سخن تابعِ قرآں ہو جائے

۵

لاتقنطوا من رحمۃ اللہ

محشر میں ہو کس طرح مرا بیڑا پار

پلے ہے گناہوں کی نہ حد ہے نہ شمار

رحمت سے تری مگر نہیں ہوں نومید

اللہ ترا فضل و کرم ہے درکار

ساقی التجا

مخمورِ مئے الست کرے ساقی
جامِ عرفاں سے مست کرے ساقی
باطل کی طرف نہ جھک سکے کبھی یہ گردن
ایسا مجھے حق پرست کرے ساقی

۲

ساقی مجاز سے التجا

لب تشنہ ہوں اک جام پلا دے ساقی
دل میں ہے لگی آگ بجھا دے ساقی
اُٹھتی چلی آتی ہے گھنگھور گھٹا
خم بادۂ گلگوں کا لنڈھا دے ساقی

ساقی مجاز سے اچھا

دو گھونٹ میں مدہوش بنا دے ساقی
اس حال کا مست بے خبر بنا دے ساقی
اک بوند کو مدت سے ترستے ہیں رند
مت ترسا آج اک گھونٹ پلا دے ساقی

گر نہ

باران رحمت باعث زحمت بنی

ابر تو ہے بلائے آسمانی پانی

تھا وجہ بقائے تشنگاں پانی

تھمتی نہیں دم بھر کسی چشم پر آب

اشکوں سے ہے دنیا ہوئی پانی پانی

۱۰

جوانی میں تقویٰ

کٹھن ہے جوانی بھی مری کیا واللہ
الفت نہ بتوں سے نہ حسینوں کی چاہ
یہ جوش شباب اور یہ تقویٰ یہ عمل
لاحول ولا قوۃ الا باللہ ''

ہر کس بخیال خویش

رکھتا نہیں میں دل میں کسی سے کچھ کد

حاشا مرے سینہ میں ہے کینہ نہ حسد

حاسد جو کریں رشک تو کیا غم بسمل

"ہر کس بخیال خویش خبطے دارد"

۱۳

عیش و عمر فانی کی ہوس

مفلس کو ہے عیش و کامرانی کی ہوس
منعم کو حیات جاودانی کی ہوس
جب ایک ہی دن ہے عمر بارق
بیکار ہے عیش و عمر فانی کی ہوس

١٣

بے زبانی زبانی ہے گویا

ہر بزم میں اب ہے قصہ خوانی میری
غیروں کی زبان پہ ہے کہانی میری
سب راز عیاں کیے ہیں خاموشی نے
گویا ہے زبان بے زبانی میری

۱۳

فکر عقبی

بازار جہاں میں نقد سودا کر لے
سامان سفر کا سب مہیا کر لے
اٹھ اے بختی کہ اگر عقل سلیم
لازم ہے کہ اب تو فکر عقبی کر لے

دنیا رنگ طلسمات ہے
عالم بھی عجب طلسم کا کاشانہ ہے
ہر رنگ طلسمات سے بیگانہ ہے
کھلتا نہیں کچھ راز کسی پر بسمل
حیران ہر اک عاقل و فرزانہ ہے
۱۲

عمر کی منزل

یکساں انساں مرگ کے آگے ہر پیر و جواں

کیوں زیست پہ مرتا ہے بشر آہ و فغاں

دنیا میں بشر جب ہے دو دن دشوار

ہے شام کو منزل عدم ہے صبح انسان

۱۰

خیر مقدم

اے دیدنِ تو باعثِ دلشادی ما
گلزار شد از مقدم تو وادی ما
گردید دل ویرانہ ما آباد
اے آمدنت باعثِ آبادی ما

الفت کی کشش

اچھی نہیں ہوتی ہے طبیعت کی کشش
کمبخت بری ہوتی ہے الفت کی کشش

میں اور یہ محفلِ سخن کی شرکت
لے آئی ہے کھینچ کے حسرت کی کشش

حکیم حسرت شاہجہانپوری

۱۹

پیری اور جوانی

پیری میں جوانی کی وہ اب بات نہیں
وہ ربط بتوں سے وہ ملاقات نہیں
کہتی ہے یہ بالوں کی سفیدی بھی کہ
بیدار ہو اب صبح ہوئی رات نہیں

۲۰

سوراج کیلیے

یاروں کی یہ خواہش ہے کہ سوراج ملے
ملک اپنا ملے تخت ملے تاج ملے
مل جل کے کریں ترک جو سب عیش کا لباس
جو چیز کہ مل سکتی ہو وہ آج ملے

۲۱-۶-۱۹۲۱

پیری میں نوجوانی کا خیال

بلبل پہ خزاں میں نغمہ خوانی کیسی
گل ہی نہ رہا تو گل فشانی کیسی
پیری میں خیال نوجوانی کیا
توبہ توبہ یہ لن ترانی کیسی

۳۲

گلشن کی پامالی

گلشن میں عجب طرح کی پامالی ہے
وہ گل نہ وہ گلگشت نہ وہ مالی ہے
بہتی تھی جہاں لالہ و نسریں کی بہار
ہر سمت وہاں کی خاک اُڑنے والی ہے

۲۳

اجل گھات میں ہے

کیا محو تو دنیا کے خیالات میں ہے
اس عمر دو روزہ کی موالات میں ہے
کھول آنکھ ذرا یہ خواب غفلت کب تک
ہشیار ہو ہشیار اجل گھات میں ہے

٢٧

ترک موالات

یا ہم اپنے حریفوں سے مواسات کریں

یا قیدِ الم میں بسر اوقات کریں

ہر طرح سے جب یہی ممکن نہیں سے کا عمل ہم

پھر ان میں کیا ترک موالات کریں

۲۵ ۲ ۱۹۲۰ء

آمد بہار

کیا مژدہ جاں بخش صبا لائی ہے
ہر شاہد گل محو خود آرائی ہے
ہر رنگ کے پھولوں سے لدی ہیں شاخیں
چوتھی کی دلہن بن کے بہار آئی ہے

۳۶

دنیا کی دورنگی

معمورۂ ہستی میں ہے ویرانی بھی
جمعیت خاطر بھی پریشانی بھی
کہتی ہے یہ دنیا کی دورنگی بسمل
قبضے میں ہے آگ بھی ہے پانی بھی

٢٧

زردار
دانا و ہشیار گنا جاتا ہے

زر پاس ہو جس کے ہے وہی اہل شعور
دانا ہے وہ جو عقل سے ہو کوسوں دور
بے عقل ہے زمانہ کی عجب الٹی چال
"برعکس نہند نام زنگی کافور"

۲۰

فکر آل

دو روز کی زندگی ہے اس پہ یہ حال
سو طرح کے ہیں بشر کے سر پہ جنجال
پیری کی ہوس میں یہ مرا جاتا ہے
افسوس کہ کچھ بھی نہیں فکرِ مآل

۲۹

مرنے سے ڈرنا

انساں کو جب کل سے خوف کنا کیا
مرتا ہے تو پھر مرنے سے ڈرنا کیا

نادان ہیں جو رکھتے ہیں جینے کی ہوس
دو روز کی زندگی پہ مرنا کیا

۳۰

دولت دنیا

کیا دولت دنیا پہ فدا ہے غافل
ہر چیز کو اک روز فنا ہے غافل
ہے آج ترے پاس تو کل اُس کے پاس
یہ مال کسی کا کب ہوا ہے غافل

۱۳

طفلی، شباب اور پیری

طفلی تھی پناہ بے گناہی کے لئے
کمبخت شباب آیا تباہی کے لئے
پیری کی یہ ظلمت ہے کہ مل مل کے خضاب
کالے کئے بال روسیاہی کے لئے

۳۲

جھنکھور گھٹا

اٹھی تھی گرجتی ہوئی گھن گھور گھٹا

دنیا میں مچی آن ہوئی اک شور گھٹا

کہتے ہیں اب سر دیوا کے چھوٹے

ہم جیسوں کا دیں گے ابھی زور گھٹا

۳۳

کالے بادل

پھیلے ہیں فلک پہ یہ جو کالے بادل
کالی پلٹن کے ہیں رسالے بادل

کیا جانیے یہ کس سمت چلے ہیں ان کو
ہاتھوں میں لیے برق کے بھالے بادل

اونچی دوکان پھیکا پکوان

ہر چند کہ اونچی ہے دوکان ہستی
پھیکی ہے مگر نعمت خوان ہستی
واللہ کوئی بھی نہ بشر سیر ہوا
بھوکے ہی رہے سبھی مہمان ہستی

۳۵

بہار ہستی دو دن کی مہمان ہے

اے شیفتۂ نقش و نگار ہستی
دلدادۂ رنگ گل و سبزہ زار ہستی

فانی چمن زیست کا ہے حسن و جمال
دو دن کی ہے مہمان بہار ہستی

جوانی کی بہار لٹ جائیگی

اے شیفتۂ حسن و جمال ہستی
دلدادۂ نقش خد و خال ہستی
لٹ جائیگی جب باغ جوانی کی بہار
پامال خزاں ہوگا گلستانِ ہستی

۳۴

ہر سانس کوچ کا پیغام دیتی ہے

ستا ہے جب عشرت کی شب و شباب جام ہستی

دم بھر میں چھلک جائے گا جام ہستی

ہر سانس صدا دیتی ہے بن کر گھڑیال

ہے کوچ کا پیغام قیام ہستی

پیری میں کمر خمیدہ ہونا ہے

رکوع ہے موقوف قیام ہستی

پہ ہے پابند سے نظام ہستی

آ کر ہے یہ مرگ سے دم بیکل

پیری میں یہ بولی نظر آئے دم ہی

سجدہ ہے آخری سلام ہستی

۳۹

مُرقعِ ہستی

ہے بس کہ نظر فریب باغِ ہستی

پُر ہے مئے رنگیں سے ایاغِ ہستی

لاکھوں ہیں اس کی جستجو میں حیراں

پایا نہ کسی نے بھی سراغِ ہستی

کہیں بیں جھلملانغ بستی باغ بستی

ا تا کہ تو ستے چہچہے و جس باغ بستی

با تا کہ بس ال جابانہ

جب جنت زنانہ بس ال جس باغ بستی

سبھی نہ نیلاہم ۱۸

ایک دم میں چراغ ہستی گل ہو جائیگا

پامال خزاں ہو گا یہ باغ ہستی
ناداں ہیں جو رکھتے ہیں دماغ ہستی
چل جائیگا جب باد اجل کا جھونکا
ہو جائے گا گل دم میں چراغ ہستی

۴۲

شاہ دولہ کی
اپنی بیٹی زمین جاں جی مٹی میں مٹی

اے صاحبِ ملک و تخت و تاج مٹی
اے زینتِ زین تیغ آن سراج مٹی
اس میں یہی بنا ہے
مٹی سے بنی اور ازل سے یہ رواج مٹی

ہاں ہستی

معلوم ہے جب سب کو مآلِ ہستی

بیکار ہے بیکار خیالِ ہستی

ہو جائے گی نابود کسی دن یہ وجود

آجائے گا آخر کو زوالِ ہستی

۴۴

کہاں حسن عمل یہاں کمال ہستی
پھر نیک سا تو ہے زوال ہستی
جب سنگ لحد میں سبھی سو نیا آئینہ
کام آئے گا کیا مال و منال ہستی

قبر میں نکیرین امتحان لینگے

مانا کہ ہے تو متفق زبان ہستی

کہتے ہیں جسے سب ہمہ دان ہستی

قبر میں کریں گے کل نکیرین سوال

ہوگا پس مرگ امتحان ہستی

٣٦

بارش کیلئے مخلوق کی پریشانی

مخلوق ہے بارش کیلئے دیوانی

خشکی نے کیا سب کا کبے پانی

سنتا نہیں بہت کسی کی فریاد

ڈالی ہے فلک نے کیسی آنا کانی

۴۸

باران رحمت کا اثر

بارش کا زمیں پہ جب نہ پانی آئے
کیا خاک طبیعت میں روانی آئے
کھل کر جو برس جائے یہ گھنگھور گھٹا
بوڑھوں میں بھی سر سے جوانی آئے

بنام گرشندہ انکونا سے جنیہ
سب میر انجمن سخنوروں میں ہو جنیہ
شکل میں نہیں باٹاں کا سموروں میں ہو جنیہ
پھر صادق
سبھی تنگ اتر آں سے بھر صادق
بنام گرشندہ انکونا سے جنیہ

جنگی باتوں

اللہ رے یہ انقلاب یہ جنگ کا دور
توپوں کی گرج بموں کے پھٹنے کا وہ شور
رہ رہ کے ہر انسان سے قضا کہتی ہے
چھپ چھپ کے سرنگ میں ہو زندہ درگور

۴۱ ۹ ۱۲

ہ ذیل کی چار رباعیاں دوران جنگ کی ہیں جب ایک طرف جرمنی دوسری طرف جاپان ہندوستان پر حملہ کی تیاریوں میں مشغول تھا

وطن کی حفاظت

اللہ سے یہ مصروفِ جنگ و قتال
معلوم نہیں کہ اس کا کیا ہوگا مآل
دل جل کے حفاظتِ وطن پر تم جاؤ
لازم نہیں اس وقت میں قولو کا سوال

۱۔۲۔۱۹۶۲ء

۵۱

بیتک کاماکی فرازی

مانا کہ تو ہم لائقِ پیکار نہیں

ہاتھوں میں ہیں سپر قبضے میں تلواریں

اس وقت حفاظتِ وطن کا ہو سوال

ہم سے جو کام او تو تیار نہیں

۱۰-۹-۱۲

وطن خطرہ میں ہے

چھپاؤ گے غم و رنج و مصیبت کب تک

کہلاؤ گے ایسے بے ہمت کب تک

اٹھو اٹھو اے وطن کے ابنائے زمیں نہیں

جاگو جاگو نوجوانو خواب غفلت کب تک

۲۱ ۹ ۱۹

۵۳

بہر قہر خدا ہے

اک مولوی نے بات کہی یہ معقول

غافل بس طیراً ابابیل نہ بھول

بہر قہر خدا ان سے جو نازل ہوگا

ہو جائیں گے جیسے کعصفٍ ماکول

دوسری جنگ عظیم کی فتح و شکست

مشکل ہے اُدھر شکست کا کرب دل

نازاں ہیں ادھر فتح پر سر چرچل

اس فتح و شکست میں جو ہے رازِ نہاں

"گویم مشکل و گر نہ گویم مشکل"

۵۵

گراں سے بیزاری

دنیا میں وہ عیش و کامرانی نہ رہی

وہ بزم نشاط و شادمانی نہ رہی

ایسا بھی کبھی پھر وہ دن آئے گا

سب لوگ کہیں یہ گرانی نہ رہی

خونِ انساں کی ارزانی

پھیلی ہوئی دنیا میں پریشانی ہے
اک ضیق میں آبِ حیاتِ انسانی ہے
ہر جنس گراں سے بھی گراں تر ہے آج
انساں کے لہو کی صرف ارزانی ہے

۵۸

دوران جنگ میں وہ بموں کی کثرت
ایسی نہ تو تھی کبھی بھی دنیا گلزار
دریا گلزار، کوہ و صحرا گلزار

رونق ہے سوا شہر کے بازاروں میں
شکر ہے کہ آج چپہ چپہ گلزار

۵۸

بُت خود بیں کو سات سلام

کرتا ہو جو کچھ کسی سے کلمہ نہ کلام
کیوں سجدہ کرے اسکو کوئی صبح و شام
ہاتھوں سے سلام لے نہ منہ سے بولے
ایسے بت خود بیں کو مرا سات سلام

کم ظرفوں کا عروج

کم ظرف ہیں اس دور میں عزت والے
محکوم جو تھے اب ہیں حکومت والے
عیار و سیہ کار تو زردار ہیں آج
گھاٹے میں ہیں ایمان کی دولت والے

۹۰

چینی کی کیا ہی

چینی ہے جو میٹھے کا معیار بنا

شیریں کا گھر اب مصر کا بازار بنا

کالنگ کی یہ کرامت کہ آئی تو یہ

ہر شخص ہے یا یوسف کا خریدار بنا

ہ صوبہ بہار میں شکر کو چینی کہتے ہیں

کنٹرول کی برکت

نعمتیں دنیا و دیں کی مل جائے

مانگیں جو خدا سے وہ یقینی مل جائے

بازاروں میں کنٹرول کی برکت سے

ممکن نہیں اک چھٹانک جنس بھی مل جائے

۶۳

مفلس کا حق زردار مار لیتے ہیں

پٹے ہے جو غریبوں کے چلنا ادب

زرداری سب کا بڑھ کے چھڑا ادب

کھوا کے سلب اپنے آثر سے دوچار

اوروں کے توسط سے خریدا ادب

سو اسٹینڈر کلاتھ

۶۳

اہلِ ہمت کا فقدان

دنیا میں کہاں ہیں اب وہ ہمت والے
کہنے کو تو ہوں بہت سی ثروت والے
کیا لیں گے بھلا وہ فاقہ مستوں کی خبر
خود بادۂ نخوت سے جو ہیں متوالے

کاغذی ناؤ

غلّوں کا کسانوں کے گھر میں انبار
بنیوں پہ ہے کنٹروں کا بھوت سوار
گر آج نہ ڈوبی ہے تو کل ڈوبے گی
جس کاغذی ناؤ پہ ہیں سرمایہ دار

۶۵

اسلام خطرہ میں؟

جو کہتے ہیں خطرہ میں پڑا ہے اسلام
اسلام نہیں دور سے کہتا ہے سلام
خطرہ میں ہیں خود شامت اعمال سے وہ
اسلام کو کرتے ہیں ناحق بدنام

آجکل کی شاعری

کیا پوچھو کیوں شعر و شاعری سے حزیں

سمجھا نہیں کیوں آج وہ تنزل سے روبہ

ہیں واعظ سخن تو رسیدہ وائے کس

پر نام سخندہ کو نہ ہے حیثیت

۴۲

آناں کہ غنی ترند محتاج ترند

اک صاحبِ ثروت نے مجھے دی یہ پند

پایا مگر ہے کہیں کفایت پہ بند

میں نے یہ کہا بسلسلۂ تقسیم مفت

"آناں کہ غنی ترند محتاج ترند"

۶۸

رشوت کی گرم بازاری

رشوت کا ہے گرم آج ایسا بازار
باتوں کا جواب بھی نہیں بنتا ہے اُدھار
نقدی کے بغیر کوئی سنتا ہی نہیں
کہتے ہیں لاکھ آپ حضور اور سرکار

۷۹

ابجد خرابہ یافتہ صحن

بدلا ہے زمانہ کا عجب آج نظام

ہیں بام عروج پہ یہ سبھی پست اقوام

اونچے عہدوں پہ وہ نظر آتے ہیں

اسلاف سبھی جن کے غلام ابن غلام

۱۰

لکھے نہ پڑھے نام محمد فاضل

وہ قوم جو کہ سالہا تھی ان پڑھ جاہل
پڑھ لکھ کے ہوئی علم و ہنر میں کامل
اس دور میں ہے شریف زادوں کا یہ حال
"لکھے نہ پڑھے نام محمد فاضل"

۱۷

راشن سکے غ

غلط جو ملازموں کو راشن سکے

سونی مصری ان پی سکے گھی اور

سونچ کے کہت کی ہے پیسا اور

بنیا عجب انداز سے بولا ہنس کے

۲۳

انگریز سورن کو گھن کا لڈو بنا کر گئے

انگریز بھی کمبخت عجب چھوڑ گئے پھل

دے کر گئے ناقص ہمیں سوراج کا پھل

پھل بھی عجب پھل ہے کہ جس کو کھا کر

ہر شخص ہوا اپنی غرض میں پاگل

۲۳

دوکان اُردو ہر جنس سے بھری پڑی ہے

ہر جنس سے ہے بھری دوکان اُردو
خوش قسمت ہے نعت خوان اُردو
ترکی، عربی، فارسی، انگلش، بھاشا
لاریب یہ سب ہیں میہمان اُردو

بے زار دزدوں کی فن

بازاروں میں دریوزہ گروں کی یورش
گندے نالوں میں مچھروں کی یورش

گلیوں میں بھری ہوئی ہے بس کی تعفن
سڑکوں پہ ہے گرد و غبار کی یورش

بھارت کے گوشے گوشے میں اردو دیکھ کر

کل کہتا تھا کہ سر پہ ہے خزانِ اردو
بھارت سے چلی اب تو زبانِ اردو
میں نے یہ کہا اس کا نکلنا ہے محال
گوشے گوشے میں ہے مکانِ اردو

۷۶

سپاہی کی بیٹی

بتائی کی سنائیں سے آگے نشان اردو

بڑھی کی پلی جائیں آگے کی نشان اردو

راہ کی نہیں اپنے ہم صبوں کی

بیٹی سپاہی کی زبان اردو

۲۰

مشغولی اور معزولی

اس عمر کو دی پیشہ تعلیم میں کاٹ

قبضہ میں ہمیشہ رہی فوج ارکاٹ

معزول ہوئے نواب یہ معلوم ہوا

چالیس برس تک ہے نوکری ارکاٹ

بزمِ نیرنگ کا فسوں

یہ غم نہیں ہے کہ گئی جوانی اری

وہ لطفِ شباب وہ کامرانی اری

پیالہ کوئی دو کوئی سے ساز انداز

افسوس کہ تشنۂ زندگانی اری

سنتا کی چیخ و پکار او بھارت سرکار

کرتا ہے ہر چند کوئی چیخ پکار
دھرتی نہیں کان اس پہ حکومت زنہار
آسودہ ہے ملک اور جنتا خوشحال
جگ جگ جیے ہماری بھارت سرکار

سکولر اسٹیٹ کا اثر

قائم جو ہوا ملک میں سیکولر اسٹیٹ ٥
دامن کو لیا شیخ و برہمن نے سمیٹ
آنے لگی یہ دیر و حرم سے آواز
مذہب کو سیاست نے کیا ملیا میٹ

٥ لادینی حکومت

وطن اور سفر

انسان کو بہت کام آتا ہے سفر
بیشک ہے سفر وسیلۂ فتح و ظفر
لیکن جو وطن دوست ہیں کہتے ہیں
حُبُّ الوطن از ملکِ سلیماں خوشتر

حب الوطن من الایمان

بلبل کو گوارا نہیں دوری چمن

نکلا نہ ختن چھوڑ کے آہوئے ختن

انسان کو کیوں نہ ہو وطن سے الفت

ایمان کا ایک جز ہے حب وطن

۸۳

وفاداری پہ بے وفائی کا الزام

اغیار سے رہی ہے انھیں جنگ و جدال
کھولوں جو زباں بھی، یہ نہیں اپنی مجال
اس پر بھی ہیں وہ میری وفا سے مشکوک
"من در چہ خیالم و فلک در چہ خیال"

۸۴

چشمہ کا پانی

چشموں سے اُبلتا ہوا ہلکا پانی
کیا خوب ہے قدرت کے وہ نل کا پانی
لذت میں لطافت میں حلاوت میں کہاں
ملتا ہے جو ہم کو آج کل کا پانی

سائنس کا اعجاز

اس دور میں سائنس کا ہے یہ اعجاز
انسان کی ہے دوش ہوا پہ پرواز
گھر بیٹھا ہوا دور کی لاتا ہے خبر
سنتا ہے زمیں پہ آسماں کی آواز

حسن اخلاق

یہ خلق و مروت کا نتیجہ ہیں اخلاق
انسان کا ہوتا نہیں اس پہ اطلاق
ہے ایک سبھی کیلئے معیار
انسان کا معیار ہے حسن اخلاق

ہنوز دلی دور است

کل مجھ کو ملا راہ میں اک بادہ پرست

با لغزش مستانہ و جامے در دست

میں نے یہ کہا اس سے قیامت ہے قریب

ہنس کر بولا ہنوز دلی دور است

۸۶

وہ سب کا پیتا

کھانا نہ ملے تو کیا پھراتا ہے پیٹ

انساں کو ذلیل و خوار کرتا ہے پیٹ

کیا پوچھتے ہو مزدور جفاکش کا حال

وہ سکے پیچے چبا کے بھرتا ہے پیٹ

وطن میں اہلِ کمال کی عزت نہیں ہوتی

سچ ہے کہ وطن میں نہیں کچھ قدرِ کمال
کم اہلِ کمال ہیں وطن میں خوشحال
بازار میں نکلے تو بکے ہاتھوں ہاتھ
گلشن میں جو گل ہے ہوئے پامال

۹۰

خفتگانِ محبت سے خطاب

کیا رنگ جہاں کا ہے اٹھ کے دیکھو بھالو
کیوں چپ سی لگی ہے منہ سے بولو چالو
کس حال میں ہو گذری ہے کیسی
کچھ ہی تو کہو کہ سو سنوا لو

۹۱

دورِ انحطاط میں بہار بھی خزاں معلوم ہوتی ہے

اب جو صلے باقی نہیں دل کے اندر
ہر دور نظر آتا ہے بد سے بدتر
کیا خاک لگے دل اب پیرِ حزیں کو بیٹھے
اس عمر کی دیکھی ہیں بہاریں ستّر

٩٢

مسئلۂ گاؤ زبان

سنتی نہ سمجھتی ہو رعایا کی زبان
ایسے تو حکومت کے نہیں گوش گراں

ہو جائے نہ ارزاں دمِ الاخوین کہیں
الجھاؤ میں ہے مسئلۂ گاؤ زبان

۹۳

مغنیا مغنی

یادِ ماضی میں بیٹھے آنسو نہ بہائیں
پچھلی باتوں کو یکقلم دل سے مٹائیں
نغمہ ہائے نئی میں ملک و ملت کی فلاح
ایسی دیں لے کہ شیخ و برہمن مان جائیں

ہندو مسلم بھارت کے سپوت ہیں

سکھ شیخ و برہمن تا چمن

دل میں سے اک ایک کا ایک ایک من

ایسا ہو ملاپ ساری دنیا کہے

[illegible]

۵۵

ہندوستانی ادیبوں کے نام وطن

سن لیں اے مسلمانانِ ایران

پیغام ہے کس کا، کہ شمعیں تاباں

اپنی ہی نئی تیشہ پر

سیلابِ تعصب سے بچا اپنا دبستان

ہو جائے نہ اوجھل کہیں سرحدِ انسان

مجنوں بنا دیا ہے تو نے مجھے ستمگر
تیرے ستم سے حالت اپنی ہوئی ہے ابتر
افسوس! کوئی اپنا مونس ہے اور نہ یاور
اک دل تھا وہ بھی اپنے قبضہ سے اب ہے باہر

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدا را
دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

تابِ فغاں کہاں اب کبتک کروں میں نالے
سوزِ تپ دروں سے لب پڑے ہیں چھالے
جتنا مجھے تو چاہے دل کھول کر ستالے
ظالم! ترے ستم ہیں اللہ کے حوالے

پرساں نہیں ہے کوئی دنیا میں بیکسوں کا
لیجائے کاش اڑا کر بادِ اجل کا جھونکا

مہماں ہوں کوئی دم کا دم ہے لبوں پہ آیا
فکرِ علاج میں کیوں سرگرم ہیں احبّا
یہ وہ مرض ہے جس کا ممکن نہیں مداوا
بیٹھے ہوئے ہیں بالیں پر آکے کیوں اطبّا

حیران ہیں اطبا، مایوس چارہ گر ہیں
نسخے بھی بے اثر ہیں آہیں بھی بے اثر ہیں
بیمار ہو رہا ہے زار و نزار تیرا
ہے خوف دل پہ طاری اے ہجر یار تیرا

پھرتا سماں ہے آنکھوں میں بار بار تیرا
پیش نظر ہے نقشہ لیل و نہار تیرا
بیٹھا جگر میں کوئی نشتر چبھو رہا ہے
اک درد ہے کہ دل میں رہ رہ کے ہو رہا ہے

نازک ہے اب تو تیرے بیمارِ غم کی حالت
چہرہ پہ ہے اُداسی، لب خشک، زرد رنگت
ہلتے نہیں ہیں لب بھی، اس درجہ ہے نقاہت
دل خون ہو رہا ہے ظالم تری بدولت

لختِ جگر غذا ہے، خونِ جگر ہے پانی
ایسے بھی آدمی ہیں، ایسی بھی زندگانی

اے ہجر! کیا بتاؤں حیرت میں ہوں تو کیا ہے
اک قہر ہے، ستم ہے، آفت ہے یا بلا ہے
انساں کے سے تو وہ دردِ لادوا ہے
جس کی مسیح سے بھی ممکن نہیں شفا ہے
کتنے جگر ہوئے ہیں پانی تری بدولت
لاکھوں نے خاکِ صحرا چھانی تری بدولت

مجنوں کو تو نے ظالم لیلیٰ سے جب چھڑایا
صحرائے نجد میں وہ پھرتا تھا مارا مارا
یوسف کے ساتھ تھا یہ ادنیٰ ترا کرشمہ
یعقوب سے چھڑا کر اُس کو کنواں جھنکایا
ملنے دیا نہ تو نے شیریں سے کوہکن کو
خون جگر کھلایا تو نے ہی نل دمن کو
اے ہجر! تیرے بس میں کوئی بشر نہ آئے
سنگِ ستم سے تیرے دل پر نہ چوٹ کھائے
تیری بلا سے خالق ہر ایک کو بچائے
بے موت اس کو مارے تو جس کے گھر میں جائے
ہے نزع سے بھی بڑھ کر بیشک فشار تیرا
ہو دشمنوں کے گھر بھی ظالم نہ تیرا پھیرا

تو وہ بلا ہے، جس سے ہر اک بشر ہی ترساں
سنتے ہی نام تیرا، ہوتی ہے روح لرزاں
دستِ ستم سے تیرے سارا جہاں ہے نالاں
ممکن نہیں ہے تجھ سے کوئی بچا ہو انساں

یوں تو ہر ایک دل میں جلوہ ترا عیاں ہے
عشاق کے دلوں میں لیکن ترا مکاں ہے

گلاب کا پھول

ہر ایک پھول سے اعلیٰ ہے یہ گلاب کا پھول
کہاں چمن میں ہے اس کے کوئی جواب کا پھول
ریاضِ دہر میں نخلِ طرب مآب کا پھول
بجا ہے اس کو کہیں ہم اگر شباب کا پھول
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

عطا ہوئی ہے اسے کیا ہی خوشنما صورت
عیاں ہے صانع مطلق کا جلوۂ قدرت
دلوں کو مست کئے دیتی ہے وہ ہی نکہت
کہاں گلوں کو میسر یہ روپ یہ رنگت
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

کلی کلی کا ہری پتیوں میں ہے یہ حال
ہوں جیسے سبز دوپٹہ میں گلرخوں کے گال
خدا نے اس کو دیا ہے عجیب حسن و جمال
صفت میں کیوں نہ ہو اپنی زبانِ ناطقہ لال
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

چمن میں پھول ہیں یوں تو کھلے ہوئے صدہا
نواڑ موتیا جوہی چنبیلی اور بیلا
اسی کا رنگ مگر سب گلوں سے ہے چوکھا
ہراتیوں میں ہو جیسے کھڑا کوئی دولہا
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول
ہزار پھول ہیں پر سب سے یہ نرالا ہے
اسی کا گلشنِ عالم میں بول بالا ہے
گلاب چین ہے سورج مکھی ہے لالہ ہے
مگر گلاب کہیں مرتبہ میں اعلیٰ ہے
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

چمن میں صبح کو آتی ہے جب نسیم بہار
بلائیں لیتی ہے منہ چوم چوم کر ہر بار
نثار کرتی ہے شبنم بھی گوہر شہوار
دعائیں دیتی ہیں سب بلبلیں ہزار ہزار
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول
چمن میں آنکھ کھلی رہتی ہے جو نرگس کی
لگائے ٹکٹکی اس کو ہے دیکھتی رہتی
نظر لگے نہ کہیں اس کی چھاؤں ہے ہلکی
نسیم پھونکتی ہے پڑھ کے آیۃ الکرسی
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

دل و دماغ کو بو نہ بھینی بھاتی ہے
اسی شمیم سے بوئے بہشت آتی ہے
شگفتگی بھی عجب دل کشی دکھاتی ہے
طراوت آنکھوں میں دل میں سرور لاتی ہے
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب تاب کا پھول

دورانِ جنگ کی

طرحی نظمیں

آج کل

ہمارا ماحول

رُوداد چمن

فریادِ وطن

وہ اور میں

رزمگاہِ عشق

آج کل

کیسا یہ انقلاب نمایاں ہے آجکل
ہر تاجدار بے سر و ساماں ہے آجکل

اک تہلکہ ہے دشت و جبل میں پڑا ہوا
دریا میں موجِ آب بھی لرزاں ہے آجکل

ہیبت سے ہے نہنگ کا زہرہ جو آب آب
عفریتِ قاف بھی گریزاں ہے آجکل

کچھ پوچھئے نہ حال فضائے بسیط کا
موجِ ہوا بھی شعلہ بداماں ہے آجکل

جو خطۂ زمیں کبھی جنت نظیر تھا
سنسان مثلِ دشت و بیاباں ہے آجکل

اس جنگِ زرگری میں ہر اک جنس ہے گراں
انسان کا لہو مگر ارزاں ہے آجکل

تہذیبِ نو کے منظرِ خونیں کو دیکھ کر
حیوانیت بھی سر بگریباں ہے آجکل

چھائی ہوئی ہے ہند میں ادبار کی گھٹا
جس کو بھی دیکھئے وہ پریشاں ہے آجکل

جنگ اک طرف ہے ایک طرف قحط کی بلا
اک مستقل عذاب کا ساماں ہے آجکل

اڑتی ہیں فاقہ مستی سے منہ پر ہوائیاں
بدتر خزاں سے فصلِ بہاراں ہے آجکل

ہے زندگی کی آس نہ کوڑی کفن کو پاس
صبحِ وطن بھی شامِ غریباں ہے آجکل

اس حال میں بھی شامتِ اعمال دیکھیے
اک دوسرے سے دست و گریباں ہے آجکل

دل میں تو ہے عناد، زباں پر ہے اتحاد
یہ میل جول، بھول بھلیاں ہے آجکل

برپا ہے ہر چہار طرف فتنہ و فساد
اک دوسرے کی جان کا خواہاں ہے آجکل

مذہب تو رہ گیا ہے فقط اک ڈھکوسلا
باقی کسی میں دھرم نہ ایماں ہے آجکل

اخبار پر نگاہ، تو ہے ریڈیو پہ کان
پیشِ نظر نہ حدیث نہ قرآں ہے آجکل

پوجا میں اور دُعا میں اثر ہو تو خاک ہو
ہندو ہے راہ پہ نہ مسلماں ہے آجکل

ممکن نہیں کہ ہند میں باہم ہو اتفاق
شیطان جب بصورتِ انساں ہے آجکل

ہیں بانیٔ فساد یہاں شیخ و برہمن
مذہب بھی جن کے نام سے نالاں ہے آجکل

اب بیٹھ کر یہ مسجد و مندر میں کیا کریں
بنگلوں پہ انکے رزق کا ساماں ہے آجکل

بسمل جو بات دل میں ہے کیونکر وہ لب تک آئے
رعبِ جلالِ خلق کا درباں ہے آجکل

الناس باللباس

کہتے تھے عبا کو سب قلندر کا لباس
پھر سوٹ کو کہنے لگے بندر کا لباس
اب دیکھیے کیا انھیں ملتا ہے خطاب
پہنے نظر آتے ہیں جو کھدّر کا لباس

۹۷

زیب

باوجود باوقت زندگی کا اجمال و انتہا

دنیا کی سمجھ آج اگر حسن و زن و وقعت

پھر بھی نظر اتنا نہیں اول آخرت

بار ادب سے گرم کر و عیب داری کا

اخلاق و نجابت کی و کاہنی پابند

۹۸

الناس علیٰ دین ملوکہم

اس وقت عجب رنگ جہاں سے ظاہر
بیگانہ مذہب نظر آتا ہے بشر

دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے سمجھو
الناس علیٰ دین ملوک کا اثر

انقلاب یا عتاب

سب سمجھتے ہیں دورِ انقلاب آیا ہے

بندوں کیلئے وقت خراب آیا ہے

میں کہتا ہوں منافقوں کی عبرت کیلئے

قدرت کی طرف کا عتاب آیا ہے

۱۰۰

کمزور اور طاقتور کا فرق یہ

جب بات پہ کوئی بات چل جاتی ہے
یہی جو ہے وہ منہ سے نکل جاتی ہے
کمزور کو دنیا میں نہیں جائے پناہ
چھوٹی مچھلی کو بڑی نگل جاتی ہے

١٠١

بیٔ عمٔ

تدبیر سے تقدیر کا بل جاتا ہے
گرتا ہوا انسان سنبھل جاتا ہے

جب بھی عمل کرتے ہیں مردانِ خدا
قدرت کا بھی فیصلہ بدل جاتا ہے

۱۰۲

فطرت نہیں بدلتی ہے

ہوں جمع کسی میں لاکھ فضل او کمال
رہتا ہے فطرت کے بدلنے کا سوال

باراں کی لطافت ہے مسلم لیکن
پیدا نہ کرے کہیں زمیں میں گلپوش نہال

۱۰۳

پدرم سلطان بود

مانا کہ ہے تو وقت کا اپنے محمود

اندوختۂ سیم بکیسہ ہے موجود

لیکن تجھ میں بھی کچھ ہیں ذاتی اوصاف؟

کب تک یہ کہے گا "پدرم سلطان بود"

ارشاد جناب وارث

جب کھینچ کے لے جائے گی قبر میں اجل
ہوگی نہ وہاں تمیز اعلیٰ اسفل
پوچھے گا نہ کوئی تخت اندازِ اعزاز
کچھ کام نہ آئے گا بجز حسن عمل

کونسل کا نقشہ

کونسل میں جو کل دیکھنے گئے ممبر لائے
پھٹ اٹھے تکی مل کے سب اپنا چلائے
کہتے تھے ہم یہ ہو وقعت منسٹر کی
جوتے میں کہیں دال نہ بٹنے لگ جائے

ع وزیر خورد

۱۰۶

شاگردوں کی نظر میں استادوں کی وقعت

اسکولوں میں استادوں کی وقعت نہ رہی
پہلی سی وہ لنگڑی بادشاہت نہ رہی
سکے کو تو قبضہ میں ہے اک فن عجب
اس فوج پہ اب ان کی حکومت نہ رہی

۱۰۲

موجودہ تعلیم کا نظام

بگڑا ہوا تعلیم کا ہے آج نظام
اچھا نظر آتا نہیں اس کا انجام
ہے قابلِ رحم ابتدائی تعلیم
ڈر ہے کہیں ہو جائے نہ کام اس کا تمام

۱۰۸

محکمۂ تعلیم کے نگراں حکام

بچے ہیں یہ تعلیم کے نگراں حکام
بچوں کی نہیں فکر ہے بس صبح و شام
مر کے جنت میں یا جہنم میں جائیں
ان کو تو ہے اپنے طلبا ہی سے کام

۱۰۹

آجکل کے استاد

کچھ نہ سیکھیں صحیح سے یہ وچار

شاگردوں میں قائم نہ رکھیں اپنا وقار

ایسے ہوں معلم تو بقول سعدی

خرسک بازند کودکان در بازار

ہ گلی ڈنڈا

۱۱۰

بنسری کی سیکھو

جب بنا اس میں بسی ہے مرغِ دل ترا زندی
بنسری کی کان تک آئی نواہائے حق جیری

بنسری کی تان کیا ہے فتنۂ گل کی زبان
ماہر کا راز ہے تب جہاں ہے سوچنی
کیا اس بے نوا سے سبحان جو ہے سوچنی

۱۱۱

اُستادِ سخن عبرت

یکتائے زمانہ جو سخن خواجہ عشرت

تھی شعر و سخن میں جنکی کامل قدرت

یفقی تن سے تھا انیس کا بسمل

اللہ منور کرے اُن کی تربت

۱۱۲

آزاد نظمیں

طلوعِ سحر

یادِ بہار

پردۂ زنگاری

صدمۂ ہجر

گلاب کا پھول

طلوعِ سحر

ذرہ ذرہ عالمِ ایجاد کا تھا محوِ خواب
چھپ گیا تھا گوشۂ مغرب میں جا کر آفتاب

زلفِ مشکینِ لیلیٔ شب کی تھی لہرائی ہوئی
سارے عالم پر گھٹا ظلمت کی تھی چھائی ہوئی

فطرت آسودہ، فضا خاموش، ساکت تھی ہوا
چلتے چلتے تھم گئی تھی باغ میں بادِ صبا

سبزہ بیگانہ خوابیدہ، شجر سوئے ہوئے
آشیانوں میں پرندے بے خبر سوئے ہوئے

سو رہے تھے بیٹھے بیٹھے زاہدِ شب زندہ دار
سرنگوں تھے نیند کے غلبے سے شکلِ کوکنار

مندروں میں برہمن بھی نیند کے ماتے ہوئے
سو گئے تھے بے خبر مل کر بھجن گاتے ہوئے

رندِ میکش جو ابھی تھے شام تک ساغر بدست
اوفتادہ صحنِ میخانہ میں تھے مدہوش و مست

کام سے مزدور دن بھر تھک کے اکتائے ہوئے
بےخبر سوئے ہوئے تھے پاؤں پھیلائے ہوئے

مہر بلب تھے ادیب و شاعرِ شیریں بیاں
مجلسِ شعر و ادب میں تھا تعطل کا سماں

ایک سناٹا غرض تھا ہر طرف چھایا ہوا
ناگہاں آنے لگی کانوں میں یہ دلکش صدا

صبح صادق کا جہاں میں بول بالا ہو گیا
پو پھٹی، دیکھو کرن نکلی اجالا ہو گیا
زندگی پیدا ہوئی ہر شے میں اس آواز سے
ذرہ ذرہ ہو گیا بیدار خواب ناز سے
نیند کے ماتے ہوؤں میں تازگی سی آ گئی
خنکی بادِ سحر پھر روح کو گرما گئی
سو رہے تھے خواب شیریں میں جو سب پیر و جواں
بستروں سے اٹھ کے اب لینے لگے انگڑائیاں
"زندگی بخشش یہی تھی حکم یزداں ہو گیا"
"پڑھ کے دو رکعت نماز آخر مسلماں ہو گیا"

یادِ بہار

اے مقدس سرزمیں، اے خطۂ پاکِ بہار
سنتے ہیں تو تھا کبھی عالم میں باغِ پُر بہار
ہیچ تھے آگے ترے سب ہند کے شہر و دیار
تیرے باشندے کبھی کرتے تھے تجھ پر افتخار
ذرّہ ذرّہ تھا ترا غیرتِ دہ شمس و قمر
چپّہ چپّہ تھا ترا گہوارۂ علم و ہنر

تیرے بقعہ سے شعاعِ علم ہوتی تھی عیاں
جگمگا اٹھا تھا جس کے نور سے سارا جہاں

تھیں کبھی مشہورِ عالم تیری مردم خیزیاں
تجھ میں پیدا ہوتے تھے اکثر مشاہیرِ زماں

دھاک تھی عالم میں تیری عقل و حکمت کی بندھی
کہتے ہیں سب تھا کبھی تو ناک ہندستان کی

تھے کبھی آباد تجھ میں کاملانِ علم و فن
عالم و فاضل، محقق، شاعرِ شیریں سخن

فلسفہ اور منطق و حکمت کے مشاقِ کہن
کوئی جالینوسِ وقت اور کوئی بقراطِ زمن

صوفیانِ باصفا کا تھا کبھی جائے قیام
ہیں کبھی تجھ سے گذرے اولیاءِ ذی کرام

شیخ شرف الدین، پیر بدر عالم، چرم پوش
بادشاہانِ جہاں بھی جنکے تھے حلقہ بگوش

نوشۂ توحید، وحدت کی دکاں کے مےفروش
جنکی بزمِ معرفت میں تھے ہزاروں جرعہ نوش

ماسوا ان کے بھی تھے اولیائے مستطاب
جنکے فیضِ باطنی سے اک جہاں تھا فیضیاب

۱۵ مخدوم الملک حضرت شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری قدس سرہٗ۔ مزار اقدس محلہ بڑی درگاہ میں مرجع خاص وعام ہے۔ ۵ شوال المکرم کو عرس نہایت تزک واحتشام کے ساتھ ہوتا ہے۔ ۲ حضرت مخدوم پیر بدر عالمؒ چھوٹی درگاہ میں آسودہ ہیں۔ عرس ۲۲ رجب المرجب کو ہوتا ہے۔ ۳ سلطان سید شاہ احمد چرم پوش تیغ برہنہ مخدوم الملکؒ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ مزار اقدس محلہ امبیر میں واقع ہے تاریخ عرس ۲۰ صفر المظفر ہے۔ ۴ حضرت سید شاہ حسین بلخی ملقب بہ نوشۂ توحید مخدوم الملکؒ کے خلیفہ اور مولانا مظفر بلخیؒ کے بھتیجے تھے۔ مزار بڑی درگاہ کے پچھم پہاڑ پورہ میں واقع ہے۔ ۳۱ رمضان کو عرس ہوتا ہے۔

کچھ عجب دلچسپ و دلکش تھی تری آب و ہوا
جو کوئی باہر سے آیا وہ یہیں کا ہو رہا

تجھ پہ قبضہ کر کے خود قبضہ میں تیرے آگیا
حال یکساں ہو گیا فاتح کا اور مفتوح کا

اس کے شاہد ہیں ابھی تک کچھ پٹھانوں کے نشاں
کچھ شہادت دے رہی ہے خلجیوں کی داستاں

تیرے خطہ میں ہزاروں نامور پیدا ہوئے
اہلِ دل، اہلِ نظر، اہلِ خبر پیدا ہوئے

جن سے عالم تھا منور، وہ گہر پیدا ہوئے
اہل زر پیدا ہوئے اہلِ ہنر پیدا ہوئے

تھی زمیں تیری کبھی سرچشمۂ آبِ حیات
تجھ پہ اخلاقِ دو عالم کی تھی چشم التفات

آہ! لیکن اب تری اگلی وہ حالت کیا ہوئی
شان و شوکت کیا ہوئی، وہ جاہ و حشمت کیا ہوئی

کچھ خبر بھی ہے؟ چمن کی تیرے رنگت کیا ہوئی
جس سے اک عالم معطر تھا، وہ نکہت کیا ہوئی

اب کہاں پہلی سی خوبو تجھ میں باقی ہے بہار
ہو گئی صرفِ خزاں تیرے گلستاں کی بہار

شان و شوکت تھی جہاں، عبرت برستی ہے وہاں
تھے جہاں قصر و محل، ویران بستی ہے وہاں

فارغ البالی جہاں تھی، تنگدستی ہے وہاں
عیش و خوشحالی جہاں تھی، فاقہ مستی ہے وہاں

کچھ نشاں ملتے نہیں ہیں خفتگانِ خاک کے
آہ! کیا کیا ہیں کرشمے گردشِ افلاک کے

کچھ بھی اب باقی نہیں ان مرقدوں کی یادگار
ٹوٹے پھوٹے ہاں دکھائی دیتے ہیں اکثر مزار
کہہ رہے ہیں جو زبانِ حال سے یہ بار بار
ہے یہی انجام کار ہستیٔ ناپائیدار
جو نشاں والے کبھی تھے آج ہیں وہ بے نشاں
نیست ہو کر رہ گئی ہیں کیسی کیسی ہستیاں
کہتے ہیں بسمل اسی کو آسماں کا انقلاب
ہو گئے اس کی بدولت سینکڑوں خانہ خراب
ہے وہی عاقل جو سمجھے زیست کو مثلِ حباب
کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ ہے خاص قرآں کا خطاب
مرنے والے مر گئے زندوں کی عبرت کیلئے
ہے یہی کافی سبق اہلِ بصیرت کیلئے

پردۂ زنگاری

میں نے پوچھا فلک پیر سے اکدن بیکل
کیوں ہے تو مورد الزام، ذرا سچ تو بتا
ایک عالم ہے ترے ظلم و ستم سے نالاں
ہے زمانہ میں ترے جور و جفا کا چرچا
لوگ ہر روز کیا کرتے ہیں تجھ پہ نفریں
خلق دن رات کیا کرتی ہے تیرا شکوا
ظلم سے تیرے زمانہ میں بپا ہے ماتم
ہر طرف نالہ و فریاد و فغاں، واویلا

ہو رہے ہیں تری رفتار سے لاکھوں پامال
دم میں سو کاٹے پلٹ دیتا ہے تیرا کاوا
سارے عالم میں ہے مشہور تری نیرنگی
ایک حالت میں کسی کو نہیں دیکھا اصلا
رنج دیتا ہے کسی کو، تو کسی کو راحت
عیش دیتا ہے کسی کو، تو کسی کو ایذا
گلشنِ دہر میں پھولا جو کوئی تازہ نہال
خار بن کر تری آنکھوں میں کھٹکنے وہ لگا
کر دیا چشم زدن میں اُسے برباد و تباہ
فارغ البال جسے تو نے ذرا دیکھ لیا
نظر آیا جو کوئی پہنے ہوئے صاف لباس
گرد آلود تفکر کیا دامن اُس کا

اے فلک تو نے اڑائے ہیں یہ کسکے انداز
کیا حسینوں نے سکھایا ہے تجھے طرز جفا
جس پہ برساتا ہے تو تیر ستم کی بوچھاڑ
اُس کو دم بھر بھی ذرا دم نہیں لینے دیتا

ختم ہونے بھی نہ پائی تھیں ابھی یہ باتیں
ناگہاں دی مرے کانوں میں کسی نے یہ صدا
سر بسر ہے ترا ناداں یہ خیال باطل
کر رہا ہے فلک پیر کا ناحق شکوا
عقل سے کام لے کیں دھیان میں ہے ہوش سنبھال
دیکھ تو کر کے ذرا چشم حقیقت کو وا

شیوۂ جور و جفا اور فلک ہے کیا مقدور
بال بھی کر نہیں سکتا یہ کسی کا بیکا

ہو نہ ہو اس میں نہاں ہے کوئی سرِ مخفی
اس کے پردہ میں مقرر ہے کوئی رازِ خفا

کب سلیقہ ہے فلک کو یہ ستمگاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں"

صدمۂ ہجر

اے ہجر یار صدمے تیرے اٹھاؤں کبتک
سوز و تپ دروں سے دل کو جلاؤں کبتک
آنکھوں سے اشک غم کا دریا بہاؤں کبتک
میں خود روؤں ظالم سب کو رلاؤں کبتک
کب تک کوئی اٹھائے ہر روز کے یہ صدمے
دنیا سے ہیں نرالے ظالم ترے کرشمے

ہمارا ماحول

۱۱ اگست ۱۹۴۲ء کو ہونے والے مشاعرہ کی طرح تھی لیکن ۹ اگست کو ملکی رہنماؤں کی یکایک گرفتاری اور نظربندی کے باعث مشاعرہ نہ ہو سکا مطلع اول میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

بہار آتے ہی کیا وحشت کا ساماں دیکھتا ہوں میں
کہ دیوانوں سے اب آباد زنداں دیکھتا ہوں میں

یہ بیداری میں کیا خوابِ پریشاں دیکھتا ہوں میں
تہ و بالا نظامِ بزمِ امکاں دیکھتا ہوں میں

کسی کو آج کل جمعیتِ خاطر نہیں حاصل
عجب شیرازۂ عالم پریشاں دیکھتا ہوں میں

جدھر دیکھو، اُدھر ہے جنگ و جدل کی گرم بازاری
غرض انساں کے مرمٹنے کا ساماں دیکھتا ہوں میں

گراں سے بھی گراں تر ہے، ہر اک شے اس زمانے میں
مگر ارزاں فقط اک خونِ انساں دیکھتا ہوں میں

یہ دنیا اب تو حیوانوں کی بستی بنتی جاتی ہے
کہ انساں کو عدوے نوعِ انساں دیکھتا ہوں میں

معاذ اللہ! یہ ہلچل، کہ کوہ و دشت و دریا سے
نہنگ و اژدہا کو بھی گریزاں دیکھتا ہوں میں

کہیں توپوں کی شورش ہے کہیں گولوں کی بارش ہے
بسیطِ خاک کو آتش بداماں دیکھتا ہوں میں

یہ خطرہ بڑھتے بڑھتے قاف سے تا قاف جا پہنچا
وہاں کے دیوزادوں کو بھی لرزاں دیکھتا ہوں میں

مگر دنیا و مافیہا سے غافل ہیں وطن والے
سمجھتے ہیں اسے بازیٔ طفلاں دیکھتا ہوں میں

نہ پاسِ ملک و ملّت ہے، نہ کچھ احساسِ ذلّت ہے
نزاعِ باہمی کارِ نمایاں دیکھتا ہوں میں

نہ خود رستے پہ آتے ہیں، نہ رہبر کی یہ سنتے ہیں
غرض ہر ایک کو فرعون ساماں دیکھتا ہوں میں

نجانے کیا سمایا ہے سرِ شیخ و برہمن میں
کہ دونوں کو بہم دست و گریباں دیکھتا ہوں میں

نہ اپنے دھرم پر یہ ہے، نہ وہ ہی اپنے مذہب پر
کہ دونوں کو خلافِ وید و قرآں دیکھتا ہوں میں

بظاہر تو ہر اک ہے مدعیٔ امن و آزادی
مگر باطن میں گرگِ تیز دنداں دیکھتا ہوں میں

دکھانے کو تو نیشن دل پہ ہے انکے انڈین نیشن
مگر نیشن۵ سے دل ان کا گریزاں دیکھتا ہوں میں

۵ نومبر
پٹنہ کا انگریزی اخبار

کچھ ان میں گا رہے ہیں راگ گھر بیٹھے ہریجن[۱] کا
ہریجن[۲] کو مگر خود ان سے نالاں دیکھتا ہوں میں

مسلماں سیر کر لیتے ہیں گھر بیٹھے مدینہ[۳] کی
مگر بیگانۂ احکامِ قرآں دیکھتا ہوں میں

کچھ ایسے بھی ہیں جو ڈوبے ہوئے ہیں چاہِ زمزم[۴] میں
سمجھتے ہیں اسی کو آبِ حیواں دیکھتا ہوں میں

جبھی ہے آج کل یہ ملک کے قومی اداروں میں
نہ سرگرمی کا ان میں کوئی ساماں دیکھتا ہوں میں

ہمارے مصلحانِ ملک و ملت کا بھی کیا کہنا
وجود ان کا مثال جسم بے جاں دیکھتا ہوں میں

۱ گاندھی جی کے ہندی اخبار کا نام ۲ اچھوت ۳ بجنور کا اردو اخبار
۴ لاہور کا اردو اخبار

رہیں گے سب سے آگے خانہ جنگی کے اکھاڑوں میں
مگر وقتِ ضرورت گھر میں پنہاں دیکھتا ہوں میں

فقط جلسوں میں گرما گرم ہے تحریکِ آزادی
مگر راہِ عمل میں پابجولاں دیکھتا ہوں میں

جو ہم میں ہیں اولی الامر ان کی حالت ہی جداگانہ
کوئی دکھ درد میں ہو، اُن کو شاداں دیکھتا ہوں میں

کوئی ننگا ہو یا بھوکا، انھیں اس کی ہے کیا پروا
تعیش کا گھروں میں ان کے ساماں دیکھتا ہوں میں

گراں قیمت پہ بھی بازار میں جو شے نہیں ملتی
انھیں گھر بیٹھے مل جاتی ہے ارزاں دیکھتا ہوں میں

کرشمے ہیں یہ کیا کیا جنگ عالمگیر کے بسمل
زمانہ بھر کو باحال پریشاں دیکھتا ہوں میں

رودادِ چمن

ذیل کی دونوں طرحی غزلیں ۱ر اگست ۱۹۴۲ء کو رائے بکھرا کی کوٹھی میں

بصدارت سید شاہ ولی الرحمٰن ڈپٹی کلکٹر گیا پڑھی گئیں

دھواں وہ اٹھ رہا ہے دیکھئے یورپ کے گلخن سے
رہیں ہشیار اہلِ ایشیا اپنے نشیمن سے
لپیٹ میں اسکی آجائے نہ ساری کائنات اسکی
مقابل ہے وطن اک فتنۂ شعلہ بدامن سے

اِدھر گلچیں[1] کا اندیشہ، اُدھر صیّاد کا کھٹکا

عنادل آشیاں اپنا کہاں لیجائیں گلشن سے

ستمگر باغباں ہے، برہم گلچیں، بدگماں بلبل

چمن برباد ہوگا اب چمن والوں کی ان بن سے

فلک پر دل جلوں کی آہ چھائی ہے گھٹا بن کر

ذرا کہدو رہے ہشیار دہقاں اپنے خرمن سے

عنادل کی فغاں سے باغباں خود بھی پریشاں ہے

مگر ظاہر نہیں ہوتا ہے کچھ ظالم کی چتون سے

عجب کیا بلبلوں کے نالہ و شیون سے تنگ آکر

اُٹھا لیجائے اپنا جھونپڑا صیّاد گلشن سے

[1] ایک طرف جرمن اور دوسری طرف جاپان کے حملہ کا خطرہ تھا

چمن میں کس گلِ تر کی سواری آنے والی ہے
نکالے جا رہے ہیں سبزۂ بیگانہ گلشن سے
اُجڑتے آشیاں دیکھا تو یہ کہتی اُڑی بلبل
رہے یا آگ لگجائے ہمیں کیا کام گلشن سے
بہارِ لالہ و گل کا ہے لیملؔ اب خدا حافظ
لگائے ٹیک بیٹھی ہے خزاں دیوارِ گلشن سے

ل گذشتہ جنگ میں جب کوئی فریق شکست کھا کر پیچھے ہٹتا تھا تو اپنے مفتوحہ علاقوں اور سامانِ جنگ کو آگ لگا کر تباہ و برباد کر دیتا تھا تاکہ دشمنوں کے ہاتھ نہ لگیں۔

فریادِ وطن

چلایا کس نے جادو اپنی چشمِ سامری فن سے
برہمن شیخ سے اور شیخ بگڑا ہے برہمن سے

وطن والو! اگر اب بھی نہ لی تم نے خبر اپنی
تو پس جانا تمہارا لازمی ہے دستِ دشمن سے

جو آزادی کے خواہاں ہو تو مل کر ایک ہو جاؤ
نہیں کچھ کام چل سکتا ہے اب آپس کی ان بن سے

وطن سے پہلے خود اپنے کو تم آزاد کر ڈالو
نکالو طوقِ فرقہ بندیوں کا اپنی گردن سے

جلا کر کھیتوں کو پھوٹ کی برباد کر ڈالو
نکالو بیر کے پودوں کو بھی تم اپنے گلشن سے

چمن میں لالہ و گل کے سوا کچھ بھی نہ رہ جائے
جو کانٹے ہیں نکالو انکو اک کر کے گلشن سے

خبر بھی ہے لٹیروں نے تمہارے گھر کو آگھیرا
ذرا اب بھی قدم باہر نکالو اپنے آنگن سے

تقاضا وقت کا ہے سر بکف میدان میں آجاؤ
چلے گا کام گھر بیٹھے نہ کچھ فریاد و شیون سے

کرو ہندوستاں میں نام زندہ بھیم و ارجن کا
سبق لو رستم و اسفندیار و گیو و بہمن سے

وطن کے لاڈلے تم ہو وطن کو ناز ہے تم پر
وطن خطرہ میں ہے سر جوڑ کر بھڑ جاؤ دشمن سے

حیات و موت کی ہے کشمکش میں اب وطن بسمل
نجات اہلِ وطن کو دیکھئے کب ہو اس الجھن سے

وہ ۔۔۔۔ اور ۔۔۔۔ میں

مئی و جون ۱۹۴۲ء کے رسالہ سہیل گیا میں چھپی

وہ یہ کہتے ہیں کہ ہے ہندوستاں جنت نشاں
میں یہ کہتا ہوں مگر ہے آج پامالِ خزاں

وہ یہ کہتے ہیں نئے سر سے پھر آئے گی بہار
میں یہ کہتا ہوں کہ بعد از انقلاب بیشمار

وہ یہ کہتے ہیں کہ اب ہندوستاں بیدار ہے
میں یہ کہتا ہوں کہ اب تک نیند میں سرشار ہے

وہ یہ کہتے ہیں کہ آزادی کے دن ہیں اب قریب
میں یہ کہتا ہوں کہاں یہ ہم غلاموں کو نصیب

وہ یہ کہتے ہیں غلامی سے ملیگی اب نجات
میں یہ کہتا ہوں کہ ہاں سچ ہے مگر بعد الممات

وہ یہ کہتے ہیں رسا اب نالۂ مزدور ہے
میں یہ کہتا ہوں ابھی سمجھو تو دلّی دور ہے

وہ یہ کہتے ہیں زمانہ ہے نئی تہذیب کا
میں یہ کہتا ہوں کہ یہ سامان ہے تخریب کا

وہ یہ کہتے ہیں کہ ہے آزادیٔ نسواں کا دور
میں یہ کہتا ہوں کہ اس پردہ میں ہے سامان اور

وہ یہ کہتے ہیں کہ ہیں کالج کے لڑکے بے شعور
میں یہ کہتا ہوں کہ ہے تعلیم کا سارا قصور

وہ یہ کہتے ہیں کہ لیڈر قوم کے ہیں چارہ ساز
میں یہ کہتا ہوں کہ یہ سب ڈھونگ ہے بندہ نواز

وہ یہ کہتے ہیں کہ کچھ مخلص ہیں ان میں بالیقیں
میں یہ کہتا ہوں کہ ہاں سب انگلیاں یکساں نہیں

وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ہیں ہر جگہ خوار و ذلیل
میں یہ کہتا ہوں کہ ہے یہ ضعفِ ایماں کی دلیل

وہ یہ کہتے ہیں جہاں میں آ رہا ہے انقلاب
میں یہ کہتا ہوں کہ بندوں پر خدا کا ہے عتاب

وہ یہ کہتے ہیں کہ انساں ہے ہوا کے دوش پر
میں یہ کہتا ہوں کہ چیونٹی کے نکل آئے ہیں پر

وہ یہ کہتے ہیں کہ ہیں سائنس میں کیا کیا کمال
میں یہ کہتا ہوں کہ آخر ہر کمالے را زوال

وہ یہ کہتے ہیں کہ بعد از جنگ ہے امن و اماں
میں یہ کہتا ہوں فقط حسنِ ظن ہے بے زیاں

وہ یہ کہتے ہیں کہ برہم ہے نظامِ کائنات
میں یہ کہتا ہوں کہ مضمر اس میں ہے رازِ حیات

وہ یہ کہتے ہیں نظر آتا ہے خطرہ میں وطن
میں یہ کہتا ہوں کہ ہاں اب باندھ لو سر سے کفن

وہ یہ کہتے ہیں، زمانہ برسرِ پیکار ہے
میں یہ کہتا ہوں کہ ہمت ہو تو بیڑا پار ہے

وہ یہ کہتے ہیں کہ اب دنیا فنا ہو جائے گی
میں یہ کہتا ہوں، ابھی اک دور پلٹا کھائے گی

وہ یہ کہتے ہیں کہ کچھ کہئے تو مستقبل کا حال
میں یہ کہتا ہوں کہ بہتر جانتا ہے ذوالجلال

ہاں مگر یہ کہہ رہی ہے گردشِ لیل و نہار
ہوشیار! اے بےخبر! از دورِ گردوں ہوشیار

رزمگاہِ عشق

(جنگی اصطلاحات کو پیشِ نظر رکھ کر)

(یہ نظم سقوطِ سنگاپور کے موقعہ پر "سرِ دیگراں در حدیثِ دیگراں" کے ماتحت لکھی گئی۔ مطبوعہ رسالہ سہیل فروری ۱۹۴۲ء)

کچھ پوچھئے نہ مجھ سے مرا حالِ زار آج
میں کیا بتاؤں رہتا ہوں کیوں دلفگار آج

کل تک تو قیدِ غم سے تھا آزاد ملکِ دل
اک انقلاب اس میں ہوا آشکار آج

اقلیمِ حسن پر تھی حکومت شباب کی
فوجِ الم نے ڈال دیا خلفشار آج

اک مس کے عشق نے اسے بمبارٹ[1] کر دیا
ہوش و خرد بجا ہیں نہ صبر و قرار آج

[1] تباہ و برباد۔

دل میرا بن گیا ہے ایمرجنسی[1] ایریا
ہر ایک شے پہ اس کا ہوا اختیار آج

کچھ روشنیِ طبع کا ملتا نہیں پتہ
سینہ ہے یا کوئی بحد تنگ و تار آج

گویا ہے سارے خانۂ تن میں بلیک آؤٹ[2]
اک ٹمٹما رہا ہے دلِ داغدار آج

ایک ایک کر کے چرخ سے ساری مصیبتیں
اتری ہیں پیراشوٹ[3] پہ ہو کر سوار آج

اینٹی ایئر کرافٹ[4] کا ساماں کیا کروں
آتش فشاں ہے وہ نگہ شعلہ بار آج

---

[1] وہ علاقہ جو وقتی ضرورت سے حکومت کے قبضہ میں آگیا ہو [2] گھپ اندھیرا

[3] ہوائی چھتری [4] گولہ انداز ہوائی جہاز کی مدافعت

ابرو ہے یا کمانڈر انچیف فوج کا
ہے جس کے اک اشارہ سے سینہ فگار آج

صورت کوئی نظر نہیں آتی ڈیفنس[۵۱] کی
تدبیر کوئی ہوتی نہیں سازگار آج

ایسی ہوئی شکست کہ اب راہِ عشق میں
اٹھتا نہیں کوئی قدم استوار آج

اے۔ آر۔ پی[۵۲] تھی عقل سو وہ بھی ہے بدحواس
شلٹر[۵۳] میں جا چھپی کہیں ہو کر فرار آج

غدار بنکے پانچویں کالم[۵۴] میں آنہ جائیں
ایسا حواس خمسہ میں ہے انتشار آج

---

۵۱ مدافعت ۵۲ رضاکارانہ جماعت جو حکومت کی وقتی امداد کیلئے قائم کیگئی ہو

۵۳ جائے پناہ ۵۴ دست نما دشمن

دیتا ہے اب دماغ سمرنڈرہ کا مشورہ
کہتا ہے یہ کہ مان لو ظالم سے ہار آج

اب جان و دل کی خیر، نہ ایماں کی ہے خیر
عاشق پہ رحم کر مرے پروردگار آج

کل تک تو کچھ خبر نہ تھی انجامِ عشق کی
کانوں میں کہہ رہا ہے کوئی بار بار آج

"راہے ست راہِ عشق کہ ہیچش کنارہ نیست
اینجا جز اینکہ جاں بسپارند چارہ نیست"

---

۵ سپر اندازی۔ ہار مان لینا۔

واقعاتی نظمیں

قحطِ بنگال

مصیبتِ بنگال

سپر انداختن

نظمِ استقبالیہ

نظمِ جشنِ آزادی

مہاتما گاندھی کی یاد

ننھا مسافر

ایک قصیدے کی تشبیب

قحطِ بنگال

(یہ نظم بنگال ریلیف فنڈ کے جلسہ منعقدہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۳ء بمکان مسٹر نند کولیار
عرف لالجی بابو بیرسٹر پڑھی گئی)

بنگال

صوبۂ بنگال نے پیشِ بہار — عرض کی با آہِ سرد و چشم تر
کیا کہوں اے میرے دیرینہ رفیق — آپ کو شاید نہیں اس کی خبر
ہو رہی ہے انقلابِ دہر سے — آج کل حالت مری نوعِ دگر
جنگ کا سر پہ مسلط اک عذاب — جان لیوا پھر گرانی کا اثر
ملک کے زرخیز خطے ابکے سال — ہو گئے سیلاب سے زیر و زبر
کچھ ایمرجنسی کی زد میں آ گئے — حکمِ حاکم سے بھلا کس کو مفر؟
جوٹ کی کھیتی پہ تھا دار و مدار — رہ گئے اسکے بھی چھلکے چھوٹ کر

ایک دن ہم اپنی پیداوار سے — غیر صوبوں کی بھی لیتے تھے خبر
آج وہ دن ہے کہ ہم پھیلائے ہاتھ — پھر رہے ہیں صورتِ دریوزہ گر
ملک میں لاکھوں ہیں ایسے بے پناہ — جنکے کھانیکو نہ رہنے کو ہی گھر
جا کے کلکتہ کی حالت دیکھئے — حشر کا میدان آتا ہے نظر
مرد عورت بوڑھے بچے نوجواں — پھرتے ہیں فاقوں کے مارے دربدر
اُن میں کتنے بیکس و بے خانماں — ننگے بھوکے ہیں پڑے فٹ پاتھ پر
وہ بلا تفریقِ ملت، ہر طرف — کر رہے ہیں جھوٹے ٹکڑوں پر بسر
یہ قیامت کا نمونہ اور آہ! — ملک کا خوشحال طبقہ بے خبر
اس مصیبت کے ہیں وہ بھی ذمہ دار — جو ہیں زریں کرسیوں پر جلوہ گر

الاماں از جورِ فاقہ الاماں
الحذر از دورِ گردوں الحذر

سن کے اوروں نے ہمارا حالِ زار — کچھ نہ کچھ امداد کی مقدور بھر

ہوں کرم کا آپ کے امیدوار / دیر سے ہے آپکی جانب نظر
کیجئے امداد نقد و جنس سے / لیجئے للہ! اب میری خبر
دوسرے صوبے تو پھر بھی غیر ہیں / آپ اور ہم تھے کبھی شیر و شکر
کیجئے ہمسائگی کا کچھ خیال / آپ پر حق ہے ہمارا بیشتر

بہار

سُنکے ساری گفتگو بولا بہار / آپ جو کچھ کہہ گئے سچ ہے مگر
فقر و فاقہ میں جو خود ہو مبتلا / وہ کسی مجبور کی لے کیا خبر؟
قحط سے کب ہمکو اطمیناں ہے / جنگ کا نقشہ رہا یونہی اگر
ایک ہی کشتی میں ہیں دونوں سوار / آپ ڈوبے تو ہمیں کب ہے مفر
ننگے بھوکے جسکے ہوں اہل عیال / غیر کی، یا پہلے اپنی لے خبر
حکم یہ ہے کیجئے روشن چراغ / مسجد و مندر سے پہلے اپنے گھر

گفتگو دونوں کی سن کر ناگہاں — روحِ سعدیؒ بولی یہ للکار کر
پست ہمت بن نہ اتنا اے بہار — اُٹھ گلستاں کا سبق پھر یاد کر

"نیم نانے گر خورد مردِ خدائے
بذلِ درویشاں کند نیمے دگر"

مصیبتِ بنگال

"بنگال ریلیف فنڈ" کے جلسہ منعقدہ ٹاؤن ہال گیا بماہ اکتوبر ۱۹۴۳ء میں پڑھی گئی

کس مصیبت میں آج ہے بنگال — کچھ خبر بھی تمہیں ہے اہلِ بہار
آگئی ہے قیامتِ صغریٰ — نفسی نفسی کی ہر طرف ہے پکار
اک تو جنگ و جدل کا ہنگامہ — قحط کی اس پہ گرمیِ بازار
کل تھا بنگال صاحبِ اقبال — اُس پہ آیا ہوا ہے آج ادبار
ملک آسام سے کراچی تک — جسکی پھیلی ہوئی تھی پیداوار
اُس کے فرزند آج ہیں محتاج — پھرتے ہیں در بدر ذلیل و خوار
دانہ دانہ کو وہ ترستے ہیں — گھر میں غلّوں کا جن کے تھا انبار
سرد بازار ہے تو غلّوں کا — ہے مگر گرم موت کا بازار

حالتِ زار اُنکی کیا ہو رقم　　ہے یہ مشتے نمونہ از خروار

ہیں یہ نیرنگیاں زمانہ کی　　جائے عبرت ہے یا اولی الابصار

ملک بھر میں مچا ہے واویلا　　سن کے بنگال کی یہ حالتِ زار

سب کے سب کر رہے ہیں کچھ امداد　　کیا خبر لی ہے تم نے اہلِ بہار؟

حق پڑوسی کا ہے پڑوسی پر　　کوئی دس دے تو تم دو ایکہزار

تم ہو اُس سے بدرجہا بہتر　　شکر اس کا کرو ہزار ہزار

کام لو اپنی اپنی ہمّت سے　　کرو مِل جُل کے اُس کا بیڑا پار

تم میں احساسِ درد کچھ ہے اگر　　خوابِ غفلت سے جلد ہو بیدار

دو ثبوت اپنی زندگانی کا　　بنو بیحس نہ صورتِ مُردار

لکھ گئے ہیں یہ سعدیؔ شیراز　　قابلِ قدر اُن کی ہے گفتار

"مُرد باید کہ گیرد اندر گوش
ور نوشتہ ست پند بر دیوار"

سپر انداختن

جرمنی اور اٹلی کا مکالمہ

۳ ستمبر ۱۹۴۳ء کو اٹلی نے اتحادیوں کے مقابلہ میں ہتھیار ڈال دیا۔

اسی موقعہ پر نظم لکھی گئی

سلاطیں ہوئے جب ہوس کے شکار — ہوا گرم ہنگامۂ کارزار
ہوئے جمع دونوں طرف کے جری — اِدھر اتحادی[۵۱] اُدھر محوری[۵۲]
جو اٹلی ہوا بیچ میں سدِّ راہ — ہوئی چند ہی دن میں حالت تباہ
سرنڈر[۵۳] کیا اُس نے انجام کار — نہ دیکھی بجز اس کے راہِ فرار

---

۵۱ طرفدارانِ برطانیہ ۵۲ طرفدارانِ جرمنی ۵۳ ہتھیار ڈال دینا۔

تو جھلا کے یہ جرمنی نے کہا — ارے تو نے یہ کیا غضب کر دیا
ہوا تجھ سے کیا بزدلی کا یہ کام — کیا محوریوں کو رسوائے عام
نگران کے حلقہ میں تو آ گیا — کہ ہیں اتحادی بڑے بدبلا
نہیں زور سے جب نکلتا ہے کام — تو پھیلاتے ہیں زر کے پھر یہ دام
دلوں میں وہ بوتے ہیں تخم نفاق — کہ ہر فرد اُن کا ہے اس فن میں طاق
کتاب سیاست کے لیکر ورق — پڑھاتے ہیں ابلیس کو بھی سبق
سمجھتا رہا میں تجھے یار غار — تری دوستی پر کیا اعتبار
نجانے ترے دل میں کیا آگئی — جو کی ترک تو نے رفاقت مری
دیا تو نے بیوقت ہتھیار ڈال — نہ سمجھا کہ کیا ہوگا اس کا مآل

گماں بردمت زیرک و ہوشمند
ندانستمت بزدل و خود پسند

کہا سن کے اٹلی نے اے بوالفضول — کہ بس بس سخن کو نہ دے اور طول

بنایا تھا تو نے مجھے اپنی ڈھال　　سمجھ میں مری آئی اب تیری چال
کہ فرما گئے سعدیؒ باصفا　　کیا میں نے جو کچھ سمجھ کر کیا

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختن

نظم استقبالیہ

گیا ضلع مسلم لیگ کی عظیم الشان کانفرنس جو زیر صدارت سر خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم بنگال ماہ اپریل ۱۹۴۲ء کو منعقد ہوئی اس کے پہلے اجلاس میں پڑھی گئی

بہار آئی ہے ساقی، کھول دے اب قفل میخانہ
کریں میخوار مل کر تیرا استقبالِ شاہانہ
پیالے بادۂ خُلت سے دے بھر بھر کے پیمانہ
کہ پیتے ہی جسے رندوں میں ہو اک جوشِ مستانہ
وہ مے دے جس میں ساقی! رنگ چوکھا ہو اخوت کا
کہ مجمع آج اس جلسہ میں ہے اخوانِ ملّت کا

عجب دلچسپ منظر ہے، مسرت کا زمانہ ہے
ہوا ٹھنڈی، فضا پرکیف ہے، موسم سہانا ہے
چمن گلہائے رنگا رنگ سے ارژنگ خانہ ہے
عنادل کی زباں پر خیر مقدم کا ترانہ ہے

ہوا خواہانِ قوم اس بزم میں تشریف لائے ہیں
صعوباتِ سفر کی منزلیں طے کر کے آئے ہیں

پلا دے بادۂ وحدت سے بھر کر جام اے ساقی
جو کر دے محو دل سے تلخیٔ ایام اے ساقی
نہ جائے تیرے در سے کوئی بھی ناکام اے ساقی
بہت ہے میکدہ کا تیرے اونچا نام اے ساقی

سروں سے بادۂ غفلت کا نشہ دور ہو جائے
وہ مے دے جس سے سستی قوم کی کافور ہو جائے

نہ وہ مے ہو جسے پی کر کوئی مدہوش ہو ساقی
وہ مے دے جس سے تازہ دل میں قومی جوش ہو ساقی
طبیعت جس کی لذت سے حقیقت کوش ہو ساقی
وہ جرأت ہو کہ ہر ہیکش علم بر دوش ہو ساقی
مسلمانوں میں بیداری پھر آجائے نئے سر سے
فضا بھی جاگ اٹھے نعرۂ اللہ اکبر سے
سنا ہے ساری دنیا پر کبھی ان کی حکومت تھی
زمانہ سازگار ان کا تھا، جانبازی تھی جرأت تھی
نفاق ان میں نہ تھا، آپس میں یکجہتی تھی، ملت تھی
نظر انکی خدا پر تھی، خدا کی ان پہ رحمت تھی
اخوت کا سبق سارے زمانہ کو پڑھاتے تھے
رواداری سے ان کی غیر بھی تعلیم پاتے تھے۔

نہ کثرت سے یہ ڈرتے تھے، نہ قلت کی انھیں پروا
ہزیمت کو سمجھتے تھے کہ ہے اک لفظ بے معنیٰ!
سروں میں سرفروشی کا فقط رکھتے تھے اک سودا
شہادت انکے بائیں ہاتھ کا اک کھیل تھی گویا

مے توحید سے ہر وقت یہ سرشار رہتے تھے
خدا کی راہ میں آمادۂ پیکار رہتے تھے
قدم انا فتحنا کہہ کے جب آگے بڑھاتے تھے
جو ہوتا کوہ بھی تو کاہ کی صورت ہٹاتے تھے
کبھی گھوڑوں کی جولانگاہ دریا کو بناتے تھے
کبھی دریا سے خشکی پر جہاز اپنا چلاتے تھے
جہاں میں شور تھا اسلام کے جبروت و سطوت کا
پھریرا ہر طرف لہرا رہا تھا فتح و نصرت کا

زمانہ بھر میں تھی ضرب المثل ان کی رواداری
سکھاتے تھے یہ غیروں کو بھی آئینِ وفاداری
دھنی تھے قول کے، جوہر تھا ان کا راست گفتاری
جو کہتے تھے وہ کرتے تھے، نہ تھی ان میں ریاکاری
ملنساری تھی ایسی جھک کے دشمن سے بھی ملتے تھے
جو اڑ جاتے تو پھر کوہِ گراں بن کر نہ ہلتے تھے
مگر افسوس! ان میں آگیا اب ضعفِ ایمانی
مسلماں تو ہیں لیکن اب کہاں جوشِ مسلمانی
بہت کم ان میں ہیں اب عاملِ احکامِ قرآنی
سنبھل جائیں تو پھر سر پہ ہو ان کے ظلِ سبحانی
گذشتہ عظمتیں اسلاف کی پھر ان میں آجائیں
خطاب اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کے حقدار کہلائیں

نظم جشن آزادی

۱۳۶۶ھ

یہ نظم ۱۵؍اگست ۱۹۴۷ء ۹ بجے شب کو مسٹر شکلا ڈپٹی کلکٹر کی کوٹھی پر بموقع جشن آزادی پڑھی گئی

گھٹا یہ ساونؔ کی کالی کالی سہانی رت، دلفریب منظر
فضا سے مستی برس رہی ہے، چھلک رہے ہیں گلوں کے ساغر
نکھار پر رنگ گلستاں ہے، عجب گھڑی ہے، عجب سماں ہے
کلی کلی مسکرا رہی ہے، نہال ہیں نخل پھول پھل کر
کہیں گلِ تر کے قہقہے ہیں، کہیں عنادل کے چہچہے ہیں
خزاں رسیدہ چمن میں پھر سے بہار آئی ہے بن سنور کر

م ساون کا مہینہ تھا

کہو عنادل سے ہو کے آزاد، اب ترانے خوشی کے گائیں
کہ آج صیّاد جا رہا ہے چمن سے اپنا اٹھا کے بستر

ہر اک کا دل شاد ہو رہا ہے، کہ ملک آزاد ہو رہا ہے
یہ گھر پھر آباد ہو رہا ہے، ہر اک در و بام ہے منور

خوشی نہ ہر ایک کیوں منائے، جب ایسی ساعت خدا دکھائے
کہ بعد مدّت کے ہم غلاموں کا، آج پلٹا ہے پھر مقدر

اگرچہ کچھ کچھ ملال بھی ہے، کہ ملک تقسیم ہو گیا ہے
نجانے آپس میں کیسی بنتی ہے ایک سے دو گروپ بنکر

مگر جو ہونا تھا ہو چکا، اب خیال کیسا ملال کیسا
سمجھئے اس کو کہ ایک گھر بٹ گیا ہے دو بھائیوں کے اندر

عجب نہیں یہ مقابلہ کا خدا کی جانب سے امتحاں ہو
کہ دیکھیں دونوں میں کون رکھتا ہے نظم بستی جہاں کا بہتر

مناسب اب ہے کہ دونوں آپسمیں ایسا حسنِ سلوک رکھیں
کہ کرنے لگ جائے اعتماد اور اعتبار ایک دوسرے پر

وہی ہو الفت، وہی ہو ملت، وہی ہوں ہندو، وہی سلماں
خدا کرے ایک ہو جائیں، دونوں بچھڑے ہوئے برادر

کچھ ایسا باہم ہو ربط لسبتمل کہ ساری دنیا پکار اٹھے
بڑا مزا اس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر

مہاتما گاندھی کی یادیں

یہ نظم ۱۹ فروری ۱۹۴۸ء کو آفیسرز ایجوکیشنل کانفرنس کے موقع پر
بمقام گیا ضلع اسکول پڑھی گئی

چھا گئی بھارت پہ کیسی آج یہ غم کی گھٹا
ہر طرف آہ و فغاں ہے ہر طرف ماتم بپا
کس کے غم میں ہر طرف پھیلا ہوا ہے انتشار
بن گئی گنگا کی دھارا آج چشم اشکبار
چل بسا سینہ پہ اپنے کون کھا کر گولیاں
کس کے غم میں بن گیا ماتم کدہ سارا جہاں

جان گاندھی جی کی لے کر موت بھی شرما گئی
کہہ رہی تھی یا خدا ہم کو نہ کیوں موت آگئی

کیوں نہیں تیرا غضب نازل ہوا پروردگار
اک اہنسا کا پجاری ہو تشدد کا شکار

جس نے دلوائی ہمیں قید غلامی سے نجات
کٹ گئی افسوس! اسکی آج زنجیر حیات

کون اب ہم کو ملیگا ایسا اچھا راہبر
شانتی کا دیوتا اور امن کا پیغامبر

کون دے گا اب یہاں لوگونکو درسِ اتحاد
کون نبٹائے گا ہندوستان کا جھگڑا فساد

اب اہنسا کا کرے گا ہر جگہ پرچار کون؟
اب سکھائیگا ہمیں شیرینیِ گفتار کون؟

اب سنائیگا ہمیں کون اپنے میٹھے بول
اب برت رکھنے سے کسکے ہوگا ہم میں میل جول

کون چرخہ سنگھ کو اب ہر جگہ دیگا رواج
کون سوچیگا ہماری فاقہ مستی کا علاج

اب رکھے گا کون جاری شام کا پرارتھنا
ہندو مسلم کو دیگا کون اب بھائی بنا

کس کے منہ سے اب سنینگے لوگ گیتا کا بھجن
کس کے لب پر ہوں گے اب قرآن کے میٹھے بچن

کون اٹھائیگا مصیبت دوست دشمن کیلئے
کون کھلوائے گا اب مندر ہریجن کیلئے

اب کدھر ڈھونڈھیں کہاں جاکر کریں انکو تلاش
ٹکڑے ٹکڑے ہے کلیجہ تو جگر ہے پاش پاش

ایسے روٹھے ہیں کہ ہم اُن کو منا سکتے نہیں
وہ بچھڑ کر پھر ہمارے پاس آ سکتے نہیں
آج وہ منہ موڑ کر گو ہو گئے ہم سے جُدا
موت ہے سب کے لئے لیکن اَمر ہے آتما
وہ تو رخصت ہو گئے دنیا کو کہہ کر خیر باد
اب بُھلائی جا نہیں سکتی دلوں سے انکی یاد
یاد کے معنی نہیں بیٹھے رہیں ہم اُن کا نام
یاد کے معنی یہ ہیں جاری رکھیں ہم اُن کا کام
اب یہ لازم ہے کہ سب مل کے یارانِ وطن
ان کے بتلائے ہوئے رستہ پہ ہوں سب گامزن

"ننھا مسافر"

یہ نظم نورِ چشمی زین العابدین سلمہٗ کے خلف اول محمد جنید عرف سہیل مرحوم کی
وفات سے متاثر ہوکر دوسرے دن سرِ بالین گور بیٹھکر لکھی گئی

اے مرے ننھے مُسافر! اس جہاں کی سیر کر
کرچکا کچھ دن یہاں کی، اب وہاں کی سیر کر

ساکنانِ عالم بالا ہیں تیرے منتظر
کچھ زمیں کی کرچکا، اب آسماں کی سیر کر

باغ عالم کی ہوا تجھکو ہوئی ناخوشگوار
قدسیوں میں جاکے اب باغ جناں کی سیر کر

عمرِ فانی کی نہ راس آئی تجھے چوتھی بہار
خلد میں جا اب بہارِ بےخزاں کی سیر کر

مادّی دنیا سے تھا ہٹکر پرے تیرا مقام
کون کہتا پھر تجھے اس خاکدان کی سیر کر

ترک کی تھی تین ہفتوں سے یہاں آب و غذا
چشمۂ کوثر پہ جامِ ارغواں کی سیر کر

کر دیا تھا تجھ کو بیماری نے پابندِ قفس
ہو کے اب آزاد اپنے آشیاں کی سیر کر

یہ جہانِ رنگ و بو تھا عارضی تیرا مقام
تو ہے بلبل جس کا اب اُس گلستاں کی سیر کر

تھا یہاں آغوشِ مادر، اور وہاں آغوشِ حور
اِس سماں کے بعد ہی، اب اُس سماں کی سیر کر

کس قدر مضطر ہیں تیرے جد و عم و والدین
کھول آنکھیں گریۂ پیر و جواں کی سیر کر
لیکن اِن دُنیا کے جھگڑوں سے تجھے کیا کام ہے
تا ابد تو اب بہارِ جاوداں کی سیر کر

. . . .

بہرِ تسکینِ دلِ مایوس و قلبِ بے قرار
کہتی ہے عبرت کہ تاریخِ جہاں کی سیر کر
امتحانگاہِ محبت ہے یہ فانی کائنات
توڑ اِن رشتوں کو ملکِ جاوداں کی سیر کر
تجھ کو دنیا میں ہوئی زندوں کی صحبت ناگوار
اب تہِ مرقد دیارِ رفتگاں کی سیر کر

راہ میں تجھ کو ملیں گے کتنے ہمسن ہمسفر
اس ہجومِ کارواں در کارواں کی سیر کر

عالمِ بالا پہ جا کر اے مرے ننھے سہیل
ماہ و پروین و سہیل و کہکشاں کی سیر کر

ہاں! مگر کرنا خدا سے جا کے اتنی التجا
صبر ایوبی کرے تیرے اعزّا کو عطا

ایک قصیدہ کی تشبیب

(فوجی اصطلاحات کو پیش نظر رکھ کر)

آئی بہار، موسمِ گل کا بگل بجا
گلشن میں مارچ کرنے لگی ہر طرف صبا
گلہائے رنگا رنگ کھلے ہیں اِدھر اُدھر
یا لشکرِ بہار پڑا ہے پڑاؤ پر
شاخِ شجر پہ بیٹھ کے مرغانِ خوشنوا
نعرہ بلند کرتے ہیں فتحِ قریب کا
مرغابیوں کے جھنڈ لبِ جو اِدھر اُدھر
جیسے پڑا جائے ہو پلٹن کمان پر

صف بستہ آگے پیچھے جوانانِ گلستاں
ڈٹ کر کھڑے ہیں پہنے ہوئے سبز وردیاں
بادِ نسیم بن کے گلستاں میں لفٹنٹ
کرتی ہے ہر روش پہ گلوں کا ارینجمنٹ

نورِ سحر نکھار رہا ہے چمن کا سائٹ
بادِ صبا سکھاتی ہے پودوں کو لفٹ رائٹ

شاخوں میں یہ لدے ہوئے نورس فروٹ ہیں
یا سبز وردیوں میں نئے رنگروٹ ہیں
شمشاد و سرو بھی ہیں کھڑے ایک پاؤں پر
ڈیوٹی پہ ہوں ڈٹے ہوئے جس طرح سولجر

چند تاریخی قطعات

ہے یہ مشتے نمونہ خروارے

۱۹۴۸ء

تاریخ وفات

اُستاذی حضرت خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی پیر ہیر

اٹھا وہ کون جہاں سے ادیب اہل کمال
بپا ہے بزم ادب میں جو شورِ واویلا
بچھی ہوئی صفِ ماتم ہے لکھنؤ میں آج
ہر ایک اہلِ سخن کے ہے لب بہ آہ و بکا
ہزار حیف ہوا کوچ دارِ فانی سے
جناب خواجہ عبدالرؤف عشرت کا
سنِ وفات سرِ آہ سے یہ ہاتف نے
کہا۔ چراغِ ادب لکھنو کا آج بجھا
۱۳۵۹ھ

تاریخ وفات

مولانا حکیم سیّد حسن مرتضیٰ شفق رضوی عماد پوری

سرِ فلک یہ نمایاں نہیں ہے رنگ شفق
غمِ شفق میں ہے پیرِ فلک کا چہرہ فق
شفق، کہ دم سے تھی جسکے بہارِ شعر و سخن
وہ اگلی صحبتوں کا نقشِ یادگار شفق
ادیب، شاعرِ دیرینہ سال، فخرِ بہار
وجود جس کا تھا بزم سخن کی اک رونق
وہ اپنے وقت کا تھا اوستادِ ماہرِ فن
پڑھایا جس نے ہزاروں کو شاعری کا سبق

جہاں سے کر گیا کوچ آج صد ہزار افسوس
بجا ہے دل کو ہو جتنا بھی درد و رنج و قلق
رہی طباعتِ دیواں کی فکر تا دمِ مرگ
کہ یادگار رہیں باقی رہیں یہ چند ورق
"اگر پدر نتواند پسر تمام کند"
ہمیشہ پیشِ نظر تھا یہ اک سوالِ ادق
مگر نظامِ مشیت کا حال کیا معلوم
نہ تھی نوشتۂ تقدیر کی خبر مطلق
ربیعِ ثانی کی تیرہ، بروزِ آدینہ
کتابِ زیست کا الٹا قضا نے آ کے ورق
لکھو یہ مصرعۂ تاریخ سنگ تربت پر
ہجوم حور و ملائک سرِ مزارِ شفق

۱۳ ھ ۶۳

تاریخ وفات جناب جلیل مانکپوری

استاد شہریار دکن

صدا آرہی ہے یہ بزم سخن سے
جلیل اٹھ گئے آج اس انجمن سے

وہ پیغمبرِ ملک شعر و سخن تھے
نبوت ملی تھی خدائے سخن سے

ہر اک سمت افسردگی چھا رہی ہے
وفات جناب جلیل حسن سے

دل افسردہ ہیں شہریارِ دکن بھی
کہ تھے بہرہ یاب انکے فیضِ سخن سے

پس مرگ بھی ہو رہے وہ وہیں کے
کچھ ایسی محبت تھی خاکِ دکن سے

لکھو سالِ رحلت یہ ہجری میں بسملؔ
جلیلؔ اٹھ گئے وائے بزمِ سخن سے

۱۳ ھ ۶۵

ایضاً در سنہ عیسوی

ہوئی خبر جو وفاتِ جلیلؔ کی مشہور
تو بسملؔ از سرِ افسوس بولا ہاتفِ غیب

لکھو یہ سالِ مسیحی میں مصرعۂ تاریخ
جلیلؔ امیرِ سخن کے وزیر تھے لاریب

۱۹ ۴ ۴۶

تاریخ وفات علامہ حافظ حاجی سید فضل حق آزاد عظیم آبادی

(در حروف منقوطہ)

نیست جز ذات خدائے لایزال
ہیچ شے را در جہاں پایندگی

از فیوض حضرتِ آزاد بود
در جہانِ شاعری تابندگی

بست و ہفتم ماہ شعباں چوں رسید
گم شدہ در تیرگی رخشندگی

سال در منقوط از بسمل شنو
فضل حق آزاد شد از زندگی

۶۱ ھ ۱۳

تاریخ وفات

مہاتما گاندھی بیکنٹھ باش

۱۳ ۶۷ ھ

ہندوستاں میں کیوں صفِ ماتم بچھی ہے آج
لب پر ہر اک کے آہ و فغاں ہے یہ کس لئے
کیسی خبر کسی نے سنائی یہ دلخراش
گاندھی جی اس جہاں سے روپوش ہو گئے
قاتل کے شل نہ ہو گئے کیوں وقتِ قتل ہاتھ
اس خونِ بے گناہ سے کیا پھل ملا اُسے
وہ قتل ہو کے ہو گئے بیکنٹھ باش آج
ظالم بتا! پناہ ملے گی کہاں تجھے

ہمدردِ خلق، مصلحِ اعظم، فدائے قوم
دنیا میں لوگ ہوتے ہیں کم ان صفات کے

جس مقصدِ عظیم کو لائے تھے اپنے ساتھ
تکمیل اُس کی تا حدِ امکاں وہ کر گئے

اہلِ وطن کو سونپ کے آزادیِ وطن
آزاد خود بھی ہو گئے قیدِ حیات سے

بسملؔ کو فکر جب ہوئی تاریخ سال کی
دی یہ ندا کسی نے چتا سے پکار کے

دشمن کے سر کو کاٹ کے لکھ دو سنِ وفات
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

۱۹ ۶ ۴۸

تاریخ وفات قائداعظم محمد علی جناح

حسرتا واحسرتا! آں قائدِ اعظم جناح
زیں جہانِ بے بقا رفتہ سوئے بستانِ خلد

شد سفارش در جوارِ رحمتِ ربّ العباد
مسکن و آرام گاہش قصرِ عالیشان خلد

یازدہ ماہِ ستمبر، روزِ شنبہ وقتِ شب
با ہزاراں سطوتِ شاہانہ شد مہمانِ خلد

طرفہ گویاں ملائک درزمین و در یسار
مرحبا اھلاً و سھلاً بر لب حورانِ خلد

ساقیِ کوثر، لبِ کوثر سراپا انتظار
بہر استقبالِ او ساغر بکف غلمانِ خلد

قدسیاں مصروف در آرائشِ باغ جناں
نغمہ زن بر شاخِ گل مرغانِ خوش الحانِ خلد

در فراقش غم نصیب و خستہ دل اہلِ جہاں
از وصالش کامران و شادماں سکّانِ خلد

از وفاتش گشت ویراں قصرِ مالا بار ہل
وز قدومِ او فزوں شد رونق ایوانِ خلد

ملہمِ غیبی ز تسمّل گفت سالِ انتقال
بانیِ اقلیمِ پاکستاں، ہما کستانِ خلد

۱۹ ۶ ۴۸

قطعہ تاریخ وفات حسرت آیات عزیزی محمد جنید اختر عرف سہیل مرحوم

خلف نور چشمی زین العابدین سلمہ

جو بتاریخ ۱۱ صفر ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۶ جنوری ۱۹۴۵ء جمعہ کا دن گزار کر
۷½ بجے شام کو بعد نماز مغرب واقع ہوئی

الٰہی یہ اندھیر کیسا ہوا؟ — کہ ملکِ عدم کو سدھارا سہیل
نظر آئے کیوں اب نہ دنیا سیاہ — کہ تھا سب کی آنکھوں کا تارا سہیل
مرے دل کی ٹھنڈک مرے دل کا چین — مری زندگی کا سہارا سہیل
نجانے ترے دل میں کیا آگئی — جو یوں کر گیا تو کنارا سہیل!
تری عمّہ و مادر سوگوار — کہ تھا جنکی آنکھوں کا تارا سہیل!
تڑپتی ہیں چاروں پڑی خاک پر — اُٹھا ان کو دیکر سہارا سہیل!

رواں چشمِ تر سے ہے سیلابِ خوں — نکلتا ہے دل سے شرارا سہیل!
جگر چاک ہیں ترے عمّ[1] و پدر — نہیں تیری فرقت گوارا سہیل!
ترا ابِّ[2] اب بسمل دلفگار — کہ تھا جسکے پیارے کا پیارا سہیل!
الگ بسترِ غم پہ ہو کر نڈھال — پڑا ہے مصیبت کا مارا سہیل!
نہیں کوئی امید اب حشر تک — تری دید ہوگی دوبارا سہیل!
دوا و دعا نے کیا کچھ نہ کام — مشیّت میں کس کا اجارا سہیل!
ترے غم کی برداشت آساں نہیں — چبانا ہے یہ سنگِ خارا سہیل!
مگر تھی یہی مرضیِ کردگار — بجز صبر اب کیا ہے چارا سہیل!
خدا سب کو دے تیرا نعم البدل — عطا ضبطِ غم کا ہو یارا سہیل!
مبارک ہو تجھکو یہ آغوشِ حور — بہشتِ بریں کا نظارا سہیل!

---

[1] چچا۔ [2] ابِّ اب۔ باپ کا باپ یعنی دادا

صفر کی تھی گیارہویں جمعہ کی شام
چھپا جب وہ ماہ دل آرا سہیل!

یہ جنوری کی تھی چھبیسویں
کہ خلدِ بریں کو سدھارا سہیل

اُفق میں اُدھر جا چھپا آفتاب
اِدھر چھپ گیا ماہِ پارا سہیل

جو ہجری میں کی فکرِ تاریخ سال
تو ہاتف نے کر کے اشارا سہیل!

بتائی تری قبر اور یہ کہا
چھپا ہے یہ روشن ستارا سہیل

۱۳ ۸۶ ۸۴

مسیحا نے بھی چرخ سے دی صدا
چھپا ہائے رخشاں ستارا سہیل

۱۹ ۶ ۸۵

قطعۂ تاریخ مرمّت خانقاہ منعمی ابوالعلائی گیا

فقیروں کو نہیں گو مال و دولت کی فراوانی
مگر جنسِ توکل کی یہاں رہتی ہے ارزانی
شکستہ کر دیا تھا کہنگی نے اس عمارت کو
مرمت کی بظاہر سب کو لاحق تھی پریشانی
مگر چند اہلِ ہمت ہو گئے کچھ ایسے آمادہ
خصوصاً ان میں شیخ عبدِ رحمٰن فضلِ رحمانی
بقدرِ مقدرت خود بھی دیا اوروں سے دلوایا
غرض حل کر دیا اس کارِ مشکل کو بہ آسانی
جزائے خیر دے دنیا میں رب العلمین سب کو
قیامت میں ہو سر پر سایہ افگن ظلِ سبحانی

سن تعمیر کی تجھ کو اگر ہے جستجو بسملؔ
تو لکھدے سب ہے یہ ایوان عطائے فیضِ روحانی

۱۳ ھ ۵۳

قطعہ تاریخ ولادت فرزند ارجمند مولوی محمد یعقوب صاحب کورٹ انسپکٹر پولیس (پرلیا)

للہ الحمد دریں ماہ مبارک شوال
مہ جمالے بہ حرم خانۂ یعقوب درآمد

قاصدے آمدہ در پرلیا از حاجی پور
مژدہ داد کہ فرزندِ خوش اسلوب آمد

دلِ یعقوب ازیں مژدۂ جاں بخش شگفت
لختِ دل، نورِ نظر شاہدِ مطلوب آمد

شاد و خرم ہمہ گشتند عزیز و احباب
در گیا نیز چوں ایں مژدۂ محبوب آمد

بسملؔ خیر طلب سالِ ولادت بنوشت
ہمچو مہ یوسفے در خانۂ یعقوب آمد

۱۳ ھ ۵۸

قطعہ تاریخِ انتقال جناب شاہ سید حسین الدین احمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ منعمی ابوالعلائی

حسرتا شاہ حسین الدین احمد حسرتا
رخت ازیں دنیائے فانی جانبِ عقبیٰ بست

روزِ شنبہ ہیژدہ ۱۸ بُد از جماد آخری ۔۔۔ وقت نُہ ساعت ز پیشیں رشتۂ عمرش گسست

بسملؔ خستہ ز ہاتف جست چوں سالِ وصال

گفت ۔ بُد شاہ حسین الدین احمد حق پرست

۱۳۵۸ھ

قطعہ تاریخ رحلت حضرت مولانا مولوی خیر الدین صاحب گیاوی نور اللہ مرقدہ

چو مولانائے خیر الدین ہیہات ۔۔۔ سوئے دارِ بقا شد "انا للہ"

جہاں تاریک شد از انتقالش ۔۔۔ بخلق افتاد شورِ نالہ و آہ

سراپا پیکرِ علم و عمل بود ۔۔۔ توکل پیشہ و مردِ حق آگاہ

بہ تعلیم حدیث و درسِ تنزیل ۔۔۔ ہمہ اوقات بودش شغلِ دلخواہ

خدا رحمت کند بر روحِ پاکش ۔۔۔ بُود دار السلامش خوش گذرگاہ

روانش از تنِ خاکی جدا شد ۔۔۔ نہم ماہ رجب نصف شبانگاہ

چو پرسد کس ز سالِ ارتحالش

بگو بسملؔ ۔ وفاتِ خیر دیں آہ

۱۳ ھ ۶۷

تاریخ وفات اہلیہ مخلصی سید جنت حسین صاحب شیر گھاٹوی محلہ شمالی

حیات انسان کی ہے نقش بر آب ― نہیں آئی ہوئی ٹلتی کسی کی
شریک زندگی جنت کی ہیہات ― خدا بخشے عجب وہ جنتی تھی
یہ کہہ دیے سر اندیشہ بسملؔ ― در جنت سے وہ جنت میں پہنچی

۱۳۶۰ھ

قطعہ تاریخ وفات جناب مولانا شاہ سید صبغۃ اللہ صاحب ہزاروی ثم الشاہجہانپوری

حیف! شاہ صبغۃ اللہ صوفی قدسی صفات ― فیض روحانی سے جنکے بہرہ ور تھا اک جہاں
چاردہ[۱۴] شعبان، شب جمعہ، بہنگام عشا ― اس جہاں سے ہو گئے راہی سوے دار جناں
مولد و مسکن ہزارہ صوبۂ سرحد میں تھا ― آب و دانہ کی کشش لائی سوے ہندوستاں
شاہجہانپور آپ آکر ہو گئے مسکن گزیں ― بیعت و تبلیغ شغل زندگی تھا جاوداں
خاک مرقد کھینچ کر لائی یوپی سے بہار ― نیم چک کی تھا مقدر میں گنج شائگاں
چلتے چلتے قلب کی حرکت ہوئی بند ایکبار ― دیکھتے ہی دیکھتے رخصت ہوئی روح رواں
با وضو مل کر مریدوں نے دیا غسل و کفن ― جسم خاکی کو کیا پھر خاک کے اندر نہاں

؎ نیم چک بیلا ریلوے اسٹیشن سے پورب ایک بستی ہے جہاں وصال و تدفین ہوئی۔

بے سر اندیشہ بسمل سال تاریخ وفات

لکھدو۔ ہیں وہ داخلِ ایوانِ جنت بیگماں

۱۳۵۴ھ

قطعہ تاریخ وفات حضرت سیدہ شاہ عبدالرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ موراعلی ساداتِ مانپور

حسب فرمائش سید شاہ فیاض احمد صاحب مانپوری

شنیدم کہ بود اندریں مانپور
یکے سید شاہ عبدالرحیم

بزرگے صفا کیش و فرخ نہاد
نہادہ قدم در رہِ مستقیم

دریں بقعہ مستند اولاد او
ز ساداتِ باشندگانِ قدیم

چو دورش بعمر طبیعی رسید
قضا پیشش آمد برسم قدیم

فزوں ہشت ۱۸ بردہ ز شوال بود
شد آں مرد کامل بخلد نعیم

بروز سہ شنبہ بوقت سعید
شدہ روح پاکش بجنت مقیم

کشیدہ سر آہ بسمل! ز سال

بگو۔ رحلت شاہ عبدالرحیم

۱۲۷۸ھ

ختم شد

قطعاتِ تاریخ ترتیب و طباعت

قطعات تاریخ

از مولنا حکیم سید شاہ محمد الیاس صاحب یاسؔ بہاری

کہوں کیا "ساغر و مینا" کی مستی
کیا ہے بیخود اسکی سرخوشی نے
سراپا رنگ میں ڈوبا وہ آخر
جو اس محفل میں آیا جام پینے
خرابات دلِ بسمل۔ ہے تاریخ
کہا اے یاسؔ مجھ سے یہ کسی نے

۱۳۷۰ ھجری

ولہٗ

جس نے دیکھا وہ ہوگیا بیخود
حبذا کیف "ساغر و مینا"
جبکہ بسمل ہے ساقی محفل
اسکی سرمستیوں کا کیا کہنا
نشہ پرور ہر ایک بیت اسکی
اس کا ہر نقطہ رشحہ صہبا
سرخوشی بخش ہے جو ہر مصرعہ
شعر تر روح جام ہوشربا
یاسؔ سرشار نے لکھی تاریخ
کیفِ میخانہ سرور فزا

۱۳۷۰ ھجری

از بلبل بہار جناب سریر کابری مینائی

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد زپس پردۂ تقدیر بہم

چھپ کے نکلا ہی بڑی شان سی بازاروں میں
انتخابِ سخنِ بسملِ اعجاز رقم

کیوں نہ ہو موجۂ کوثر سے دھلی انکی زباں
مدتِ مشقِ سخن، نصف صدی سی نہیں کم

میرے صوبہ میں ہی ذات آج غنیمت انکی
مانتے ہیں انھیں استاد سب اربابِ قلم

مل گیا مصرعۂ تاریخ مگر دیہ سریرؔ
کہدیا ساغر و مینا ہے مے ساغرِ جم

۱۳ ۶۸ ھجری

وَلَہٗ

زہے کیف کلامِ بسملِ پاکیزہ گفتار کے
بوجد آور حسن انتخاب ساغر و مینا

زبزمِ میکشاں تا حلقۂ بزمِ سخنداں
منور شد ز عکسِ آفتابِ ساغرِ مینا

بہر ترکیبِ مستانِ سخن رقصند می نازند
زمانہ گشت بدمستِ شرابِ ساغرِ مینا

بہر تخئیلِ نادر شوخیِ مضمونِ رنگینش
بروئے میکشاں بکشادہ بابِ ساغرِ مینا

سرِ ترآمد صدائے غیب بہرِ سال در گوشم
کہ برجستہ بگو۔ کہنہ شرابِ ساغرِ مینا

۵۱ ۱۹ ۶

لمعۂ قطعاتِ تاریخیہ ازرقم غلام رسول قوس ندوی

۵۱ ۶ ۱۹ ۵۱ ۶ ۱۹

از جناب مولینا قوس حمزہ پوری

چھپ گیا اب نامی گلدستہ رباعیات کا

۶۹ ھ ۱۳

طبع مستعمل بدرِ علم و مہرِ عالمتاب ہے

۶۹ ھ ۱۳

سالِ ترتیبِ رباعیات زیبِ انجمن

۵۰ ۶ ۱۹

ہر رباعی ماہِ تابندہ گلِ شاداب ہے

۶۹ ھ ۱۳

ولہٗ

رباعیات عدیم المثال بسمل ما — نمونۂ ادبی ہست در اصول و فروع
بگفت ہاتف غیبی سنِ اشاعت قوس — ہزار و سہ صد و ہفتاد زیب سالِ شیوع

۱۳ ھ ۷۰

از جناب مولانا انجم مانپوری گیاوی

دیکھ کر بسمل کا مطبوعہ کلام — کی پئے تاریخ انجم فکر جب
بے سر اندیشہ ہاتف بول اٹھا — کہہ دو بسمل کا کلام منتخب

۱۳ ھ ۷۰

از جناب نواب محمد نقی صاحب قمر گیاوی

بسمل کی یہ بیاض ریاض کمال ہے — ہمیں ہیں باغ فکر کے تازہ گل مراد
تاریخ سن کے لوٹتے ہیں اہل دل قمر — قربان جاؤں نسخہ بسمل ہی طبع زاد

۱۳ ۶۸

ولہٗ

وقت کی ہیں یہ ترانے پُر درد — اس میں ہر نظم دوائے دل ہے
ہے مسیحی میں قمر یہ تاریخ — لحن بلبغ سخن بسمل ہے

۱۹ ۶ ۸ء

از مصورِ جذبات جناب شمس گیاوی اڈیٹر ہمزاد

خدا کا ہے شکر چھپ گئیں وہ رباعیات لطیف و دلکش
رہے گا جس کے سبب سے زندہ ہمیشہ دنیا میں نام بسمل
جو شمس ہو فکر سالِ تاریخ طبع نظم گہر فشاں کی
تو آپ کہہ دیجئے - ہوا طبع انتخاب کلام بسمل

۱۳ ۷۰ ھ

از جناب مشفق شیر گھاٹوی

مولوی بسمل اخی محترم
شاعری میں جو ہیں آپ اپنی نظیر

ہو یہ مجموعہ انہیں کی یادگار
بمثال و بے عدیل و بے نظیر

مجتمع ہیں جملہ اصناف سخن
صورت آئینہ روشن ضمیر

ہر سخن تازہ بتازہ نو بہ نو
نظم و قطعات و رباعی کثیر

ساغر و مینا ہی موزوں نام بھی
مدح خواں دل سے ہی ہر برنا و پیر

ہجری و سالِ مسیحی ساتھ ساتھ
ایک مصرعہ میں ہی مشفق بے نظیر

کیوں نہ خوش ہو کر کہوں بیساختہ
گنج خمخانہ ہی باغ دلپذیر

۱۳۶۹ ھ ۴۹ ۶۱۹

از جناب مانی القادری امجھری

کلامِ بسمل پاکیزہ تخئیل — پیامِ لذتِ دردِ نہاں ہے
یہ کہدو مصرعۂ تاریخ مانی — شرابِ ساغر و مینائے جاں ہے

۵۰ ۱۹ ء

از جناب مولوی سید عبد العزیز صاحب شوق شیر گھاٹوی

بھائی بسمل کا یہ کلامِ لطیف — شوق شائع ہوا بصد زینت
ہیں یہ تلمیذ خواجہ عشرت کے — لکھدو تاریخ گلشنِ عشرت

۷۰ ۱۳ ھ

از محمد زین العابدین احمر سنبہاروی خلف اکبر مصنف

ہوا چھپ کے تیار باآب و تاب — یہ گلدستۂ بسملِ اہلِ فن
مضامیں شگفتہ ہیں یا باغ ہیں — کھلے ہیں گل و لالہ و یاسمن

جو سالِ طباعت کی احمر ہے فکر
تو لکھدو ۔ خیابانِ شعر و سخن

۵۰ ۱۹ ء

از شمس العارفین عارف سنبھاروی

قطعہ اوسط مصنف

خوب گلدستۂ سخن یہ چھپا جس کا ہر صفحہ رشک گلشن ہے
کوئی پوچھے جو طبع کی تاریخ کہدو عارف "بیاض روشن ہے"

۱۳۶۹ھ

از حافظ نظام الدین صاحب نظامی خوشنویس

ساغر و مینا ہوا نیا رچھپ کر واہ واہ
جس کے شائق دیر سے تھے اہل علم و اہل فن
کی نظامی میں نے جب سالِ طباعت کی تلاش
بولا ہاتف لکھدو۔ ہے یہ اخترِ اوجِ سخن

۱۹۵۱ء

معذرت

بعض احباب نے ازراہ مہربانی چار چار پانچ پانچ تاریخی قطعات عنایت فرمائے۔ ہم ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے نہایت ادب سے معذرت خواہ ہیں کہ مجموعہ کی تنگ دامانی کے باعث صرف دو پر اکتفا کیا گیا۔ بسمل

ALLAMA IQBAL LIBRARY
J. & K. UNIVERSITY LIB
Acc. No. 47016
Date 21.9.82

ALLAMA
IQBAL LIBRARY
UNIVERSITY OF KASHMIR
HELP TO KEEP THIS BOOK
FRESH AND CLEAN.